سید محفوظ علی بدایونی مرحوم علی گڑھ کے لائق فرزند، اردو کے ممتاز اہل قلم اور طنز و ظرافت میں بڑے صاحب کمال تھے، مولانا محمد علی مرحوم سے بڑا تعلق رکھتے تھے اور انکے انگریزی اور اردو اخباروں کامریڈ اور ہمدرد کے انتظام و انصرام میں بڑے دخیل بھی تھے، ہمدرد میں تجاہل عامیانہ کا عنوان انہی کی جدت قلم کا نتیجہ تھا، انکا تحریری سرمایہ کم ہے تاہم جو کچھ ہے ادب عالیہ کا نمونہ ہے، ۱۹۵۶ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے انکے انیس مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا، اب سید صاحب کے ہم وطن اور عقیدت مند محی الدین صاحب بدایونی نے بڑے سلیقہ سے تقریباً تین درجن مضامین کا یہ نیا مجموعہ شایع کیا ہے جو آٹھ حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں مولانا محمد علی مرحوم اور تحریک خلافت سے متعلق اور دوسرے میں مزاحیہ مضامین شامل ہیں، آخری دو حصے تحقیقی و تاریخی مضامین کیلئے خاص ہیں، بقیہ حصوں میں ایک سفرنامہ، تین افسانے، دو تنقیدی اور زبان سے متعلق مضامین دیئے گئے ہیں، یہ رنگارنگ اور مختلف النوع مضامین ادبی رعنائی و لطافت سے معمور اور مصنف کے سنجیدہ و باوقار قلم اور ماقل و مادل تحریر کا نمونہ ہیں، ابتدا میں مرحوم کے حالات و کمالات سے متعلق تین مفید مضامین درج ہیں، سید محفوظ علی مرحوم جن فرضی ناموں سے اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھتے تھے، لائق مرتب نے اپنے مضمون میں ان سب کی مفصل وضاحت کردی ہے، سید صاحب کے فرزند جناب سید حسن علی اور مولانا ضیاء احمد بدایونی مرحوم کے مضامین میں مرحوم کے خاندانی حالات، روزمرہ زندگی کے واقعات، اخلاق و عادات، شرافت، بیداری اور ادبی و علمی ذوق کی پختگی وغیرہ کا ذکر ہے، اس مجموعہ میں حدیث دیگراں کے عنوان سے مشاہیر علم و ادب کے تاثرات بھی نقل کیے گئے ہیں لیکن انکو یکجا اور علحدہ نقل کرنے کے بجائے موقع و محل کے لحاظ سے ہر حصہ مضامین کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، مولانا محمد علی، مولوی عبدالحق، مہدی افادی، خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر اقبال، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، رشید احمد صدیقی، حفیظ جالندھری، قاضی عبدالغفار، رشید ہاشمی فریدآبادی، آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، ابواللیث صدیقی، عبادت بریلوی وغیرہ متعدد ارباب کمال کے تاثرات سے اس مجموعہ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اردو کے بعض نامور ارباب علم و قلم کو انکے تحریری سرمایہ کی کمی کے باوجود بڑی شہرت و اہمیت حاصل ہے، سید محفوظ علی بدایونی کا شمار بھی اسی زمرہ میں ہونا چاہئے مگر افسوس ہے انکو خاطر خواہ شہرت نہ ملی، ایسے باکمال ادیب کے ادب پاروں کو تلاش و جستجو سے مرتب کرکے شایع کرنا، ایک مفید ادبی خدمت ہے، اسکیلئے لائق مرتب ارباب ذوق کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ "ض"

جلد ۱۱۶ ماہ نومبر ۱۹۷۵ء مطابق ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ عدد ۵

مضامین

شذرات

ندوہ کے ہشتاد و پنجسالہ تعلیمی جشن کا ذکر ان اوراق میں آچکا ہے، ۳۱ اکتوبر کو شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی صدارت میں اس جشن کا آغاز ہوا، اور ۳ نومبر تک اس کا سلسلہ جاری رہا، ان چاروں دنوں میں مختلف دینی علمی اور ثقافتی مسائل پر بحث ہوئی، اس بین الاقوامی اجتماع میں ایشیا اور افریقہ کے متعدد ملکوں کے اہل علم و نظر اور صاحبِ رسوخ و اثر اصحاب نے شرکت کی اور انھوں نے ہندوستانی علماء اور زعماء، ماہرین تعلیم و تربیت، اور مصلحین تہذیب و معاشرت کے ساتھ بہت سے تعلیمی و تہذیبی مسائل پر غور و خوض کیا، تقریریں ہوئیں، مقالات پڑھے گئے، اور تجویزیں پیش کی گئیں، اس تبادلۂ خیال سے بحث و نظر کے بہت سے نئے گوشے سامنے آئے، ذہن و دماغ میں نئے خیالات ابھرے، فکر و عمل کے نئے میدان سمجھ میں آئے، اور اشتراک و تعاون کی نئی صورتیں نظر آئیں،

اس اجتماع میں جو فکر انگیز خیالات ظاہر کئے گئے، ان میں شاید سرفہرست وہ تجویز ہے جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ تعلیم کی دوئی دور کی جائے، اور ثنویت کے بجائے اس میں وحدت پیدا کی جائے، آج مدتوں سے ہماری تعلیم دین و دنیا کے دو خانوں میں بٹی ہوئی ہے، اور دینی و دنیاوی درسگاہیں علیحدہ علیحدہ قائم ہیں، اس دوعملی نے قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور ذہن و دماغ کے دو ایسے سانچے بن گئے ہیں، جن کے ربط و اتصال کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہر ایک کے غور و فکر کا رنگ جدا، اور عمل کا ڈھنگ الگ ہے، دیندار دنیا کے معاملات سے ناآشنا اور زمانہ کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، اور دنیا دار دینی تعلیمات سے ناواقف اور روحانی ضرورتوں سے لاعلم ہیں، اس ناواقفیت اور لاعلمی نے ہماری زندگی کی اخلاقی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے، اور اس ناآشنائی و بے خبری نے رہنمائی و رہبری کی صلاحیت باقی نہیں رکھی، دیندار مجبور اور

دنیا دار بے نور ہو گئے، اس مجبوری و بے نوری نے ملت پر راہِ عمل گم کر دی ہے اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ

ع ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں

اسلام دین و دنیا کی تفریق سے ناآشنا ہے، وہ محض حمد و ثنا کے ترانوں پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ احکام دین کا نفاذ بھی کرتا ہے، وہ بندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے اور بندہ نوازی کی بھی، وہ جسم کی تازگی کے ساتھ روح کی بالیدگی کا بھی طالب ہے، وہ دنیا کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اُسے مطیۃ الآخرہ (آخرت کی سواری) بنانے کا مشورہ دیتا ہے، اسی بنا پر شروع میں نصاب و نظامِ تعلیم میں دین کے ساتھ دنیا کے تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا، لیکن بعد میں یہ جامعیت باقی نہیں رہی، اور دینی و دنیاوی تعلیم کے حلقے الگ الگ ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا پر دین کی سیادت قائم نہ رہی، اور دنیاوی معاملات مذہب کی گرفت سے آزاد ہو گئے، آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک طرف دنیا کا انتظام کرنے والوں کو شریعت کا دائرہ تنگ نظر آنے لگا اور وہ محسوس کرنے لگے کہ مذہب زندگی کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے اسے صرف عبادت گاہوں تک محدود رہنا چاہئے، اور دوسری طرف اہلِ مذہب اربابِ دنیا کو الحاد سے ہمکنار سمجھنے لگے،

ندوۃ العلماء نے اس صورتِ حال کو محسوس کیا اور دین و دنیا کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو از سر نو استوار کرنے کی کوشش کی، لیکن حالات کی ناسازگاری نے اس کوشش کو پورے طور پر کامیاب نہ ہونے دیا، مگر اس اجلاس کے بعد ایسی امید ہو چلی ہے کہ بانیانِ ندوہ کی یہ آرزو پوری ہو، اس سلسلہ میں نصابِ تعلیم پر از سر نو نظر ڈالنا پڑے گی، اور دینی و دنیوی علوم کو اس طرح سمونا پڑے گا کہ دونوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے، اس کے ساتھ اونچی سطح پر اسلامی علوم کے مطالعہ و تحقیق کا ایسا انتظام کیا جائے، اُس کے بعد تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام میں، ایسے صاحب نظر علماء پیدا ہو سکیں جو زمانہ کے تقاضوں سے باخبر اور اسلامی ماخذوں سے پورے طور پر واقف ہوں اور اُن کے اندر اسلامی اصول کو حالات پر منطبق کرنے کی صلاحیت ہو تاکہ وہ اپنے عصر سے اُن کی زبان میں بات کر سکیں، اور اربابِ کار کو شریعت کی وسعت و جامعیت کا یقین دلا سکیں،

مولانا محمد میاں سے قارئین معارف بخوبی واقف ہیں، اُنکی علمی و عملی خدمات محتاج تعارف نہیں، وہ درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق کے قائل تھے، انھوں نے علمی شغف اور قومی خدمت کو اپنی زندگی میں سمو رکھا تھا، مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کیلئے سکون قلب اور فراغ خاطر ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن محمد میاں نے سیاست کے پرشور ہنگاموں اور قید و بند کی پریشانیوں میں یہ منزل طے کی ہے، انھوں نے کبھی دار و رسن کا خوف کیا نہ آبلہ پائی کا گلہ، وہ مطالعہ میں مصروف ہوتے یا درس و تدریس میں منہمک یا خانہ دانی مشاغل میں مشغول، جیسے ہی جنگ آزادی کا بگل بجتا میدان میں نکل آتے، اور اس راہ کی ہر پریشانی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے، وہ زندگی بھر اس روش پر چلتے رہے، سیاست کے ساتھ تقوی پر عمل بہت مشکل ہے مگر انھوں نے سیاسی زندگی کو پاکیزگی سے کبھی جدا نہیں ہونے دیا، اُن کی خدمت بے لوث اور اُنکی سیرت بے داغ تھی، جماعتی زندگی میں کشمکش عام ہے، ہر شخص سیادت کا طالب ہوتا ہے لیکن ان کا دامن اس عیب سے پاک تھا، انھوں نے اپنے مفاد پر جماعت کے مفاد کو ہمیشہ مقدم رکھا، اور اس ایثار میں ہر پریشانی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہے، افسوس ہے کہ علم و عمل اور ایثار و خدمت کا یہ مجسمہ دنیا سے رخصت ہو گیا، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے، اور دوسروں کو اُن کی پاکیزہ اور پُرخلوص زندگی کو نمونۂ عمل بنانے کی توفیق عطا فرمائے،

شورش کاشمیری کی وفات بھی بڑا سانحہ ہے، اُنکی نشو و نما آزادی ہند کی جدوجہد کے دوران ہوئی، انھوں نے آزادی وطن کے علمبرداروں کے ساتھ زندگی کا بڑا حصہ گزارا، مولانا آزاد، عطاء اللہ شاہ بخاری، اور مولانا ظفر علی خاں سے انھیں گہرا تعلق تھا، ملک کی تقسیم سے پہلے اُن کا قیام لاہور میں تھا، آزادی کے بعد وہ وہیں رہ گئے، لیکن انھیں وہاں کبھی اطمینان نصیب نہیں ہوا، اُن کی زندگی کا بڑا حصہ جیلوں میں بسر ہوا، کبھی کبھی دار و رسن کا خطرہ بھی ہوا مگر اُن کے پائے ثبات کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، وہ بڑے قادر الکلام شاعر اور پرزور خطیب تھے، اُن کا زور بیان اور حسن کلام مولانا ظفر علی خاں کی یاد دلاتا تھا، اعلان حق میں بڑے جری تھے اور اس راہ میں شدائد و مصائب سے کبھی ہراساں نہیں ہوئے، زندگی بھر تکلیفیں برداشت کرتے رہے مگر کبھی باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا، وہ دار المصنفین کے بڑے مداح اور بہی خواہ تھے، اور اس کی خدمت و اعانت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے،

اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے، اور اُن کی حق گوئی کا پورا صلہ عطا فرمائے،

مقالات

یہود اور قرآن مجید

از

ضیاء الدین اصلاحی

قرآن مجید میں تذکیر و استدلال کے لئے گذشتہ قوموں کا اکثر ذکر کیا گیا ہے، اُس نے یہود[1] کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، اس مضمون میں اس صحیفۂ عبرت کے کچھ اوراق قرآن مجید کی روشنی میں روشن کئے جاتے ہیں، اس سے یہود کی گذشتہ اور موجودہ تصویر سامنے آئے گی، اور یہ اندازہ ہوگا کہ خدا کی اس محبوب اور روئے زمین کی سب سے مقدس اور برگزیدہ قوم کو اس کے گوناگوں عظیم الشان احسانات کی ناقدردانی کے نتیجہ میں کیا کیا خمیازے بھگتنے پڑے، اور وہ کیسی کیسی ذلتوں اور رسوائیوں سے دوچار ہوئی، اور شکست و ریخت کے کن مراحل سے گذری،

---

[1] حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہؓ کے بطن سے جو نسل چلی اس کو قرآن نے بنی اسرائیل کہا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا، یہ لوگ شام میں آباد تھے، قدیم فلسطین شام کا جز تھا، بنی اسرائیل ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے، جو مذہبی حیثیت سے یہود کہلاتے ہیں،

اس سلسلہ میں پہلے اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس نے یہود پر کئے تھے، یہود پر اللہ نے بیشمار انعامات کئے تھے، ذیل میں چند نمایاں اور غیر معمولی انعامات کو نمبروار پیش کیا جاتا ہے،

۱- ہدایت وشریعت کا انعام یہود پر خدا نے سب سے بڑا افضل و انعام یہ کیا تھا کہ ان کو اپنی ہدایت و شریعت کی عظیم الشان نعمت عطا کی تھی، چنانچہ فرمایا،

یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی	اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو
انعمت علیکم واوفوا بعہدی	یاد کرو جو میں نے تم پر کی، اور میرے
اوف بعہدکم وایای فارھبون	عہد کو پورا کرو، تو میں تمہارے عہد کو
(بقرہ - ۴۰)	پورا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو،

مذکورہ بالا آیت میں نعمت سے خدا کی ہدایت وشریعت کی نعمت مراد ہے، جو در اصل ان کے اور بنی اسرائیل کے درمیان ایک معاہدہ تھی، اور جس پر مضبوطی سے قائم رہنے کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے، وہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کی اولاد میں تھے، ان دونوں اولوالعزم پیغمبروں نے ان کو اسی ہدایت خداوندی کو اختیار کرنے کی وصیت اور تاکید کی تھی، ارشاد ہوتا ہے،

ووصی بہا ابراھیم بنیہ و	اور ابراہیم نے اسی (ملت ابراہیمی
یعقوب یا بنی ان اللہ اصطفیٰ	و ہدایت خداوندی) کی وصیت
لکم الدین فلا تموتن الا و	اپنے بیٹوں کو کی، اور اسی کی وصیت
انتم مسلمون ام کنتم شھداء	یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو کی تھی
اذ حضر یعقوب الموت اذ	کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے
قال لبنیہ ما تعبدون من	لئے دین اسلام کو منتخب کیا، سو تم

بعدی قالوا نعبد الٰھک و	مرنا، مگر اسلام کی حالت پر، کیا تم اس
الٰہ آبائک ابراھیم واسمٰعیل	وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت
واسحٰق الٰھا واحدا ونحن	کا وقت آیا جب کہ اس نے اپنے بیٹوں
لہ مسلمون ہ	سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش
(بقرہ - ۱۳۲ و ۱۳۳)	کروگے، وہ بولے کہ ہم تیرے معبود
	اور تیرے آبا و اجداد ابراہیم اسماعیل
	اور اسحاق کے معبود کی پرستش کریں گے،
	جو ایک ہی معبود ہے، اور ہم سب اسی کے
	فرمانبردار رہیں،

اس آیت میں حضرت ابراہیم کیساتھ حضرت یعقوب کی وصیت کو بھی ذکر کرنے اور اس کو زیادہ اہمیت دے کر بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل تعلق انہی سے تھا، وہ براہ راست ان کی اولاد تھے، چنانچہ انھوں نے بڑی تاکید سے فرمایا، کہ یہ جو عظیم الشان نعمت اور بھاری امانت تم کو ملت ابراہیمی کی صورت میں عطا کی جارہی ہے، اس کا حق پوری طرح ادا کرنا، اور اس سے کسی حال میں بھی بے پرواہ نہ ہونا، خواہ اس راہ میں کتنی ہی آزمائشیں کیوں نہ پیش آئیں تمہیں بہرحال اسی ہدایت خداوندی اور شریعت الٰہی پر قائم رہنا اور ملت ابراہیمی پر مرنا اور جینا ہے،

خداوند قدوس نے یہود کو ہدایت وشریعت کی نعمت ہی نہیں بخشی تھی، بلکہ اس پر قائم اور استوار رکھنے کے لئے ان کے اندر پے در پے انبیاء و رسل مبعوث کئے، اور نبوت و رسالت کا ایک طویل سلسلہ ان کے اندر جاری کیا، وہ حضرت ابراہیم و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام

کی تو اولاد ہی میں تھے، اُن کے بعد بھی یہود کے درمیان متعدد انبیاء مبعوث ہوئے، حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک رسولوں کا ویک وسیع سلسلہ گذرا ہے، فرمایا:-

وَاِذْ قَالَ مُوسیٰ لِقَوْمِہٖ یٰا قَوْمِ اذْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ (مائدہ - ۲۰)

اور یاد کرو جب کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے ہم قومو! اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں نبی اٹھائے،

خود حضرت موسیٰ کی بعثت کو بھی خدا نے اپنی نعمت بتایا ہے، جو بنی اسرائیل کو ہدایت الٰہی اور نعمت خداوندی سے وابستہ رکھنے اور کفر و شرک کی ضلالت سے بچانے کے لئے ہوئی تھی ارشاد ہوتا ہے،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسیٰ بِاٰیٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (ابراھیم - ۵)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالو!

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے جو کتاب دی تھی، وہ بھی سراپا صحیفۂ ہدایت و بصیرت اور خدا کی عظیم الشان نعمت ہی تھی، تاکہ اس کو اختیار کرکے وہ لوگ ملت ابراہیمی اور دین حنیف پر قائم رہیں، فرمایا،

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

بیشک ہم نے توراۃ اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق خدا کا فرمانبردار انبیاء، علماء، اور فقہاء یہود

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ (مائدہ - ۴۴)

کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، بوجہ اس کے کہ وہ کتاب الٰہی کے امین اور اس کے گواہ ٹھہرائے گئے تھے،

دوسری جگہ الواح توراۃ کے متعلق کہا گیا ہے،

وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِھَا ھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَرْھَبُوْنَ (اعراف - ۱۵۴)

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو اُس نے تختیاں لیں، اور اُس کے نوشتہ میں ہدایت و رحمت ہے، ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں،

ان آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کے اندر گوناگوں انبیاء کا مبعوث کیا جانا، اور ان کو ہدایت و شریعت سے سرفراز کرنا ایک اہم خدائی انعام تھا،

۲- دنیا والوں پر فضیلت و برتری یہود پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا زبردست احسان یہ تھا، کہ اُن کو ساری دنیا کے لوگوں پر فضیلت و برتری عطا کی گئی تھی، وہ روئے زمین کی سب سے برگزیدہ قوم اور خدا کے سب سے محبوب بندے تھے، قرآن مجید نے اس فضل خداوندی کا ذکر کئی جگہ کیا ہے، سورۂ بقرہ میں فرمایا:-

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ - ۴۷)

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی، اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دی،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینی سیادت و امامت کی طرح ان کو دنیاوی اعزاز و وجاہت سے بھی پوری طرح نوازا تھا، اور وہ ان دونوں حیثیتوں سے تمام اقوام عالم میں ممتاز تھے، ملاحظہ ہو،

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ، (جاثیہ - ۱۶)

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور نبوت عطا کی، اور ان کو پاکیزہ روزیاں دیں، اور دنیا والوں پر ان کو فضیلت بخشی،

بنی اسرائیل نے جب حضرت موسیٰؑ سے اپنی شرکت و بت پرستی کی تمنا ظاہر کی تو انہوں نے کہا خدا کے برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود یہ کیسی بیہودہ باتیں اور لغو خواہش پیدا کر رہے ہو:-

أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ، (اعراف - ۱۴۰)

کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈوں درانحالیکہ وہی ہے جس نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی،

ان کو ہدایت و شریعت کی نعمت اسی لئے بخشی گئی تھی، کہ وہ اس پر کاربند ہو کر دنیا و آخرت کے فوز و فلاح کے مستحق بن جائیں، اور توحید خالص اور دین حق کے علمبردار ہو کر دنیا کی امامت و فرمانروائی کے منصب جلیل پر فائز رہیں، اور ایمان و یقین کی بدولت ہر قسم کی ذلت و محکومی سے نجات پا جائیں، چنانچہ جہاں ان کو یہ امتیاز بخشا گیا تھا کہ ان کے درمیان

مسلسل انبیاء و مرسلین مبعوث ہوتے رہے ہیں ان میں ملوک و امراء بھی برابر پیدا ہوتے رہے،

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ، (مائدہ - ۲۰)

اور یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے ہم قوم! اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی اٹھائے، اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ بخشا جو دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں بخشا،

یعنی نبوت و رسالت کی طرح ان کو حکومت و سلطنت بھی بخشی گئی تھی، اور وہ عرصہ دراز تک خدا کی ان دونوں عظیم الشان نعمتوں سے بہرہ ور رہے، امت مسلمہ کے ظہور سے پہلے وہی منصب امانت و شہادت حق پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی قوم کو یہ دینی پیشوائی و برتری، اور دنیاوی اعزاز و وجاہت اور قوموں کی ہدایت و رہنمائی کا مقام جلیل حاصل نہیں تھا،

یہ واضح رہے کہ یہود کے ساتھ خدا نے فضل و احسان کا یہ جو عظیم الشان معاملہ کیا تھا وہ اس کا کوئی اندھا دھند فیصلہ نہ تھا، بلکہ اس کے علم و حکمت کا نتیجہ اور ایک مناسب انتخاب تھا،

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ، (دخان - ۳۲)

اور ہم نے علم و واقفیت کے ساتھ ان کو دنیا والوں کی رہنمائی کیلئے منتخب کیا تھا،

۳- فرعون کے غلاموں سے نجات

بنی اسرائیل پر خدائی انعامات کی فہرست میں ایک بڑا انعام

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرعون جیسے جابر و قاہر حکمران کے ظلم و تشدد سے چھٹکارا دلایا، فرعون اُن کو نہایت حقیر و ذلیل، پست اور گھٹیا سمجھتا تھا، اور اُن سے ہر قسم کی خدمت اور بیگاری کے کام لیتا تھا، حد یہ تھی کہ وہ اُن کے بچوں کو قتل کرا دیتا تھا، خدا نے بنی اسرائیل کی اس محکومانہ زندگی اور فرعون کے جبر و تشدد کا قرآن حکیم میں کئی جگہ ذکر کر کے ان پر اپنا احسان جتلایا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم کو آلِ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ	فرعون کے قبضہ سے چھڑایا، وہ تمھیں
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ	بُرے عذاب چکھاتے تھے، تمھارے
نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ	بیٹوں کو ذبح کرتے، تمھاری عورتوں
رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ	کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمھارے
(بقرہ - ۴۹)	رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی،

بنی اسرائیل کی تاریخوں سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ ان پر مصر میں شدید مظالم ڈھائے جارہے تھے، اور اُن کو طرح طرح کی ذلتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، توراۃ کا بیان ہے،

"مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی، اور انھوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کروا کے اُن کی زندگی تلخ کی، ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے، مشقت کی تھیں"،

قرآن مجید نے مصر کے قبطیوں اور فرعون و آلِ فرعون کے تمام مظالم اور بدسلوکیوں کی تصویر صرف ایک ہی مختصر اور جامع فقرہ میں اس طرح کھینچ دی ہے،

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ	وہ تمھیں بُرے عذاب سکھاتے تھے،

بنی اسرائیل کے لئے جو اپنی تاریخ کے ان واقعات سے اچھی طرح واقف تھے، اسی ایک مختصر اور بلیغ فقرہ نے تفصیلات کا پورا دفتر کھول دیا ہوگا، پھر اس ظالمانہ سلوک کے قرآن نے دو نمونے بیان کئے ہیں کہ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے نسل کشی کر رہے تھے، اور لڑکیوں کو زندہ باقی رکھتے تھے، قرآن کی بلاغت نے اس موقع پر لڑکیوں کے بجائے نساء (عورتوں) کا لفظ استعمال کر کے بنی اسرائیل کو غیرت اور طیش دلایا ہے، پھر فرمایا:-

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور اس میں تمھارے خداوند کی جانب
عَظِيْمٌ	سے بڑی آزمائش تھی،

تاکہ بنی اسرائیل کو خدا کے غیر معمولی فضل و کرم کا پوری طرح احساس ہو کہ اس نے کیسی شدید ابتلاء و آزمائش، اور سخت جبر و قہر اور رسوا کن عذاب سے اُن کو نجات دلائی تھی، اسی نے سورۂ دخان میں فرمایا:-

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ	اور ہم ہی نے بنی اسرائیل کو ذلت کے
الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ مِنْ فِرْعَوْنَ	عذاب سے نجات دی، بیشک وہ
اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ	سرکش اور حد سے آگے بڑھنے والا
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى	تھا، اور ہم نے دیکھ بھال کر بنی اسرائیل
الْعٰلَمِيْنَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ	کو دنیا والوں کی رہنمائی کے لئے منتخب
مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ	کیا تھا، اور ہم نے اُن کو ایسی نشانیاں
(دخان - ۳۰-۳۳)	عطا کی تھیں، جن میں صریح آزمائش تھی،

۴- فرعون کی عبرتناک تباہی و بربادی

اسی ضمن میں بنی اسرائیل پر خدا کا یہ انعام و احسان

بھی قابلِ ذکر ہے، کہ اس نے ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے بعد اس کو اور اس کے متبعین اور اعوان و انصار کو نہایت ہی عبرتناک طور پر ہلاک و برباد کر دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور رحمت و عدل کا ایسا مہتم بالشان واقعہ تھا، جس کو بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا، وہ نہایت مظلوم اور بے سروسامان تھے، ہم اس بے سروسامانی اور مظلومی کے باوجود محض خدا کے فضل و رحمت سے انھوں نے آسانی کے ساتھ سمندر کو پار کر لیا، لیکن ان کا تعاقب کرنے والا فرعون اور اس کا لشکر جرار دولت و قوت اور اقتدار کے نشہ میں سرشار تھا، مگر اس کے باوجود وہ خدا کے قہر و غضب کا نشانہ بن گیا، اور سمندر کی لہروں کی لپیٹ میں آکر غرق ہو گیا، فرمایا،

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ،
(بقرہ - ۵۰)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے دریا کو پھاڑ کر تمھیں پار کرایا، پس تمھیں نجات دی، اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا، اور تم (اس واقعہ کو) دیکھتے رہے،

"وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ" کا مدعا یہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے دھر پکڑ کے لئے نکلنے والے زبردست اور قاہر دشمن اور اس کے عظیم الشان لشکر کی دستبرد سے نجات پانے اور چشم زدن میں اس کی ہلاکت و بربادی کا جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، ساحل پر کھڑے ہو کر بچشم خود مشاہدہ کر رہے تھے، توراۃ میں ہے کہ

"اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارے پر دیکھیں،"

(سفر خروج - ۳۱-۱۴)

بنی اسرائیل سالہا سال سے فرعون کے مظالم انگیز کر رہے تھے، جب خدا نے صدیوں

کی غلامی سے نجات دینے کے لئے اُن کو ہجرت کرنے کا حکم دیا، تو وہ حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے[1] اپنے آبائی وطن شام و فلسطین جانے کے لئے چھپ کر رات کے وقت نکلے، جیسا کہ دوسری جگہ ہے:-

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ۝
(دخان ۲۳ و ۲۴)

سو میرے بندوں کو رات میں لے کر چلو، بیشک تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا، اور سمندر کو ساکن چھوڑ دو، یہ ڈوبنے والی فوج ہے،

فرعون کو اُن کی روانگی کا علم ہوا تو اُس نے پیچھا کیا، بنی اسرائیل نے فرعون کو لشکر سمیت آتے دیکھا تو بہت گھبرائے، حضرت موسیٰؑ نے ان کا اضطراب اور گھبراہٹ دور کرنے کے لئے تسلی دی، اور وحی الٰہی کے ایما سے اُن کو بے خوف و خطر سمندر میں چل پڑنے کا حکم دیا، سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا، اور درمیان میں خشک راستہ نکل آیا، اس طرح اسرائیلیوں کا قافلہ سمندر پار کر گیا، یہ صورت دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم بھی سمندر پار کرنے کے لئے اس میں گھس پڑی، لیکن ابھی وہ اس کے درمیان ہی میں تھی کہ پانی کی کھڑی دیواریں

---

[1] حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے لڑکے حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو وادی غیر ذی زرع (مکہ) میں لیجا کر چھوڑا، جہاں اُن کی نسل خوب پھلی پھولی، اور دوسرے لڑکے حضرت اسحاقؑ اور اُن کی والدہ حضرت سارہؑ کو شام و فلسطین کی سرزمین میں آباد کیا، حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں ڈال دیا، اس سے نکال کر قافلہ والوں نے انھیں مصر میں فروخت کر دیا، یہیں بالآخر اُن کے دوسرے بھائی اور والدین بھی پہنچ گئے، اس طرح بنی اسرائیل مصر میں آباد ہو گئے تھے، حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ان کو پھر اپنے آبائی وطن جانے کا حکم دیا گیا،

آپس میں مل گئیں، اور سمندر کا پانی پہلے کی طرح پھر رواں ہوگیا، چنانچہ بنی اسرائیل کی نگاہوں کے سامنے فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق ہوگیا، ڈوبتے وقت اُس نے ایمان قبول کرنا چاہا، مگر اس وقت اس کا ایمان خدا کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوسکا، اور خدا نے اسکے مجسمہ کو مرقع عبرت بنا کر باقی رکھا، سورۂ یونس اور سورۂ دخان میں اس کے غرق ہونے کی یہ تفصیل موجود ہے،

توراۃ کے باب خروج میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے:۔

"پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا، اور خداوند نے رات بھر پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا، اور پانی دو حصّہ ہوگیا، اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہوکر گذر گئے، اور پانی کی اُن کے داہنے اور بائیں دیوار تھی"

اور باب تثنیہ میں ہے:۔

"اور اُنھوں نے مصر کا لشکر اور اُن کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حال کیا، اور کیسے اُس نے بحر قلزم کے پانی میں اُن کو غرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے اُن کو کیسا ہلاک کیا، کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں"

اس خدائی اہتمام اور قدرت کے تصرفات کے عجائبات پر غور کیجئے کہ جس مقام سے بنی اسرائیل کے لئے خشک راستہ ہوگیا تھا، اور انھوں نے نہایت آسانی سے سمندر پار کرلیا تھا، اسی مقام سے جب فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ گذرنا چاہا، تو وہ اپنے لشکر سمیت ڈوب گیا، اس کے غیر معمولی جاہ و جلال کے باوجود اس کا یہ انجام کس قدر عبرتناک ہے!

آخری وقت میں وہ اس ایمان اور ہدایت خداوندی کو قبول کرنے پر بھی آمادہ ہوگیا تھا جس کو قبول کرلینے پر اس نے ساحرین مصر کو دھمکایا تھا لیکن آج دوسروں کو قتل کی

دھمکیاں دینے والا خود خدا کے قہر و انتقام کی زد میں آکر لوگوں کے لئے سامان صد عبرت بن گیا،

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ فَجَعَلْنٰهُمْ
سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ۝
(زخرف ۵۵-۵۶)

"پس جب ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا، تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا، اور ان سب کو ڈبو دیا، اور اُن کو بعد میں آنے والوں کے لئے سرگذشت اور کہاوت بنا دیا،"

قرآن نے فرعون کی ہلاکت کے ضمن میں ایک اور اہم نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے، اس کو اپنی قوم اعوان و انصار، آل و اتباع اور لاؤ لشکر پر بڑا بھروسہ اور اپنی دولت و ثروت اور قوت و اقتدار پر بڑا ناز تھا، اسی زعم میں وہ اپنی عظمت و شوکت اور قوت و برتری کو بڑے فخر سے بیان کیا کرتا تھا، اور بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰؑ کا بڑی حقارت اور تمسخر سے ذکر کرتا تھا لیکن اس کی ساری رعونت خاک میں مل گئی، اور اس کا غرور پاش پاش ہوگیا، نہ اعوان و انصار کی جماعت اور لہلہاتے باغ اور سرسبز و شاداب کھیتیاں اس کے کچھ کام آئیں، اور نہ اُس کی قوت و اقتدار اور مصر کی سلطانی و فرمانروائی نے اُس کو کوئی فائدہ پہنچایا، اتنے جابر و قاہر حکمراں اور ایسی عظیم الشان حکومت و سلطنت کے فرمانروا پر کوئی شخص آنسو بہانے والا اور غم کرنے والا نہ تھا، اس عبرتناک انجام کو خود قرآن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے،

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ
وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ
كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ

انھوں نے چھوڑے کتنے باغ، کتنے چشمے کتنی کھیتیاں، کتنے عمدہ مکانات اور کتنے آرام کے ساز و سامان جن میں

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا آخَرِیْنَ فَمَا
بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ٥
(دخان - ۲۵ - ۲۹)

مزے سے رہتے تھے، ایسا ہی ہم
مجرموں کے ساتھ کرتے ہیں، اور
ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا
وارث بنا دیا، ان پر نہ آسمان
رویا، اور نہ زمین، اور نہ اُن
کو مہلت دی گئی،

اس تفصیل سے پوری طرح سے اندازہ ہوگیا ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کو نجات دلاکر اور اس کو تباہ و برباد کرکے ان پر کتنا بڑا احسان و انعام کیا تھا،

۵۔ غلبہ و تمکن فی الارض | اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو غلبہ و تمکن اور زمین کا وارث بناکر بھی ان پر غیر معمولی فضل و احسان کیا تھا، اس کے گذشتہ افضال و عنایات کی طرح یہ انعام بھی نہایت حیرت انگیز طور پر ہوا تھا، کیونکہ بنی اسرائیل کو حقیر و ذلیل، کمزور و ناتواں اور بہت بے بس اور بے سہارا خیال کیا جاتا تھا، ان کے مقابلہ میں فرعون کی شان و شوکت اور قوت بہت غیر معمولی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب کرشمہ سازی سے اقتدار و قوت کے نشہ میں سرشار لوگوں کو ہلاک اور مجبور و مظلوم لوگوں کو غالب کار فرما بناکر دکھا دیا کہ کوئی چیز بھی اُس کے قبضہ و قدرت اور ارادہ و اختیار کے دائرہ سے باہر نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ

اور ہم تمہارے سامنے موسیٰ اور
فرعون کے بعض واقعات ٹھیک
ٹھیک بیان کرتے ہیں، ایمان والوں

جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً
مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ
نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ
وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ
اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ
نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ
الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی
الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ
هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ
مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ٥
(قصص - ۳ - ۶)

اور بیشک فرعون نے زمین میں
سرکشی کی، اور اس نے لوگوں کی
ٹولیاں کردی تھیں، ان میں سے
ایک گروہ کو کمزور سمجھتا تھا، ان
کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا، اور اُن
کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا،
بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں
میں تھا، اور ہم ان لوگوں پر احسان
کرنا چاہتے تھے، جن کو زمین میں کمزور
سمجھا گیا تھا، اور اُن کو سردار اور
وارث بنانا اور زمین میں قبضہ
دلانا چاہتے تھے، اور فرعون اور
ہامان اور ان دونوں کے لشکروں
کو اس چیز کو دکھانا چاہتے تھے جن
سے وہ بچتے تھے،

حضرت موسیٰ اپنی قوم کو فرعون کے مظالم اور چیرہ دستیوں پر صبر و ضبط کی تلقین کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ اُس کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے، سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے، وہ اس سے حکومت و فرمانبرداری چھین کر تمہیں دیدے گا، تم اس پر بھروسہ کرو، اور اسی سے مدد چاہو، وہ اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا،

قَالَ مُوسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (اعراف - ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد چاہو، اور ثابت قدم رہو، زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے، اس کو اس کا وارث بناتا ہے، اور انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے،

فتح و کامرانی کے اسی دن کا بنی اسرائیل کو نہایت بے چینی سے انتظار تھا، اور وہ اپنی عجلت پسندی اور بے صبری کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کی شان میں عجیب عجیب گستاخیاں اور ناروا حرکتیں بھی کیا کرتے تھے، بالآخر خدا کا وعدہ پورا ہوا، اور فرعون کے جاہ و اقتدار کا خاتمہ ہوگیا، اس کے نیست و نابود ہونے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل کو اُن کے آبائی وطن فلسطین و شام کی سرزمین میں بسایا، اور تخت و تاج کا وارث بنایا،

وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ‌ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ الۡحُسۡنٰى عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ‌ؕ وَدَمَّرۡنَا مَا كَانَ يَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَقَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ ۝

اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ہم نے اُن کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث ٹھہرایا، جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا، بوجہ اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات

(اعراف - ۱۳۷)

اور اُن کے سارے باغ و چمن ملیا میٹ کر دیئے،

یہ بھی اللہ کا ان سے لطف و کرم ہی کا ایک معاملہ تھا کہ فرعون کی صدیوں کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ اس مبارک سرزمین میں پہنچ گئے، جو مادی و روحانی خیر و برکت کا سرچشمہ تھی یعنی شام و فلسطین کی وہ مقدس سرزمین جو انبیاء و رسلؑ کا گہوارہ تھی، اور جہاں خدا کا پاکیزہ اور با برکت گھر تھا، علاوہ ازیں یہ سرزمین زرخیزی اور شادابی کے لئے بھی مشہور تھی، اس لئے بنی اسرائیل کو وہاں رزق کی کوئی پریشانی نہ ہوئی،

۶۔ صحرائے سینا میں انعامات اور دھوپ، فاقہ اور پیاس کی تکلیفوں سے بچانے کے خدائی انتظامات

اوپر گذر چکا ہو کہ مصر سے نکال کر اللہ نے بنی اسرائیل کو آباد کرانے کے لئے شام و فلسطین کی سرزمین کا انتخاب کیا تھا، اس سرسبز و شاداب مقام کا انتخاب اسی لئے کیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کو معیشت اور رزق کی جانب سے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہو، جیسا کہ فرمایا:۔

وَلَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ وَّرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ‌ ۚ (یونس ۹۳)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا، اور پاکیزہ رزق بخشا،

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ‌ ۝ (جاثیہ - ۱۶)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی، اور ان کو پاکیزہ رزق دی، اور دنیا والوں پر برتری بخشی،

مگر بنی اسرائیل سے جب اس سرزمین میں داخل ہونے کے لئے کہا گیا تو وہ اپنے بودے پن

کی وجہ سے وہاں جانے کے لئے تیار نہ ہوئے، اور ایسے ڈرے سہمے ہوئے تھے، کہ گویا وہاں کی قومیں اُن کو ہڑپ کر جائیں گی، حالانکہ اُن کے سامنے ابھی فرعون کی عبرت انگیز ہلاکت کا منظر پیش آ چکا تھا، اور یہ علاقہ اللہ اُن کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، لیکن وہ فلسطینی قوم کی قوت اور زورآوری سے اس قدر مرعوب تھے کہ جس ملک پر قبضہ کرنے کی اُمنگیں لے کر یہاں تک پہنچے تھے، اس پر قبضہ کرنا تو درکنار، پھر مصر پلٹ جانے کی باتیں کرنے لگے، اور انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ خدا نے اُن کو اس ملک کی میراث دینے کا قسم کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے، جیسا کہ خود توراۃ میں ہے:

"خداوند نے قسم کھا کر اُن سے وعدہ کیا، کہ میں نے یہ علاقہ تم کو دیا۔"

(باب گنتی : ۱۳)

حضرت موسیٰؑ نے دشت فاران میں اُن کی ہمت و حوصلہ بڑھانے کے لئے بڑی زوردار اور موثر تقریر کی، اس میں ان افضال و عنایات کا حوالہ دیا، جو مصر سے نکلنے کے وقت سے لیکر اب تک برابر سایہ کی طرح بنی اسرائیل کے ساتھ رہے، اور ان قطعی و حتمی وعدوں کا ذکر بھی کیا جو اُن کے درمیان سلسلۂ نبوت جاری کر کے اُن کو ایک عظیم حکمراں قوم بنانے کے لئے اللہ نے فرمائے تھے، اس میراث کا حوالہ دیا جو ایک شاداب و زرخیز علاقہ کی شکل میں اُن کو ملنے والی تھی، اور جس کو اللہ نے اُن کے لئے لکھ دیا تھا، ان وعدوں اور یقین دہانیوں کے ساتھ اُن کو ارض مقدس پر حملہ کرنے کی دعوت دی، اور بزدلی، پست ہمتی اور کم حوصلگی کے برے نتائج سے خبردار کیا، بارہ سرداروں کو اس علاقے کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا، ان لوگوں نے علاقے کی سرسبزی و شادابی کی رپورٹ دی، اور اس تفتیشی مہم کے دو ارکان نے بھی اس بزدل اور پست ہمت قوم کا حوصلہ بڑھانے کے لئے للکارا، مگر ان پر ان تقریروں کا کوئی اثر نہ ہوا، اور نہ اُن کا خوف و ہراس اور بزدلی اور وحشت زدگی دور ہوئی، اور وہ کسی طرح بھی فلسطینیوں کا

مقابلہ کر کے ان کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے، اُن کی اس ناقدری اور بزدلی کی یہ سزا دی گئی، کہ چالیس سال تک کے لئے سرزمین مقدس اُن کے لئے حرام قرار دے دی گئی اور یہ مدت انھوں نے صحرا گردی اور بادیہ پیمائی میں گذاری، تاکہ اُن کی غلامانہ زندگی کا خاتمہ ہو اور اُن کی کوکھ سے وہ نسل اُبھرے جو صحرا کی فضا میں پل کر جوان ہوئی ہو، اور یہ اپنی بہادری، خوداعتمادی، اور ہمت و حوصلہ کی بدولت ارضِ مقدس کو فتح کر سکے، کیونکہ بقول اقبال ؎

کرتا ہے فطرت کے مقاصد کی نگہبانی

یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

قرآن مجید نے ان واقعات کو سورۂ مائدہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے؛

یہ اگرچہ ایک طرح کی سزا تھی، جو بنی اسرائیل کو دی گئی، مگر اس کے باوجود اللہ نے اس لق و دق میدان اور بے آب و گیاہ صحرا میں اُن کی راحت کا مکمل انتظام فرما دیا، دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ مہیا کر دیا، پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے، اور رزق و معیشت کی جانب سے ان کی پریشانی دور کر دی، قرآن مجید نے صحرائے سینا کے ان انعامات کا جو دھوپ پیاس اور فاقہ کی تکلیفوں سے بچانے کے لئے کئے گئے تھے، اس طرح ذکر کیا ہے:-

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا	اور ہم نے تم لوگوں پر بدلیوں کا
عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا	سایہ کیا، اور تم پر من و سلویٰ
مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا	اتارا، کھاؤ ہماری بخشی ہوئی
ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ	پاکیزہ چیزوں میں سے، اور انھوں
يَظْلِمُونَ ...... وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ	نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ
مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ	خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے

بعصاک الحجر، فانفجرت منہ
اثنتا عشرۃ عیناً قد علم کل
اناس مشربھم کلوا واشربوا
من رزق اللہ و لا تعثوا فی
الارض مفسدین،
(بقرہ - ۶۰)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم
کے لئے پانی طلب کیا، تو ہم نے کہا
اپنی لٹھیا پتھر پر مارو، تو اس سے
بارہ[۱۲] چشمے پھوٹ نکلے، ہر گروہ
نے اپنا اپنا گھاٹ معین کرلیا،
پیو اور کھاؤ اللہ کی روزی سے
اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو،

ان نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے، کہ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں جہاں رزق اور غذا کے اسباب و وسائل مفقود تھے، لیکن وہ بنی اسرائیل کو تخم ریزی اور آبپاشی کی گوناگوں زحمتوں اور مشقتوں کے بغیر محض فضل خداوندی سے میسر آگئی تھی، اور اس خانہ بدوشی میں جہاں سایہ کے درخت نہیں تھے، دھوپ کی شدت اور آفتاب کی تمازت سے بچانے کے لئے خدا نے بادلوں کا سایہ کردیا تھا، پھر پیاس کی شدت اور تکلیف رفع کرنے کے لئے ایک پہاڑی سے بارہ چشمے جاری کردیئے، تاکہ اُن کے ہر ہر خاندان کے الگ الگ گھاٹ متعین ہوجائیں، اور اُن کے درمیان پانی لینے پر کوئی جھگڑا نہ ہو،

اس طرح کے اور بھی گوناگوں احسانات خدا نے یہود پر کئے تھے، جن کو طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے خدا کی ناشکری اور اسکی نعمتوں کی ناقدری کی، اور اس کی نافرمانی کی، اس کے پیغمبروں اور اس کی آیتوں کی تکذیب و استھزا کیا، آگے اسی کی تفصیل بیان کی جائے گی، (باقی)

حافظ یزید بن ہارون اسلمی سلارح

از حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی رفیق دار المصنفین ایم اے (علیگ)

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جن اتباع تابعین نے علم و عمل کی قندیلیں فروزاں کیں ان میں ایک ممتاز نام حافظ یزید بن ہارون اسلمی کا بھی ہے۔ جو فقہ و حدیث میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ سیرت و کردار کے اعلیٰ مرتبہ پر بھی فائز تھے، زہد و تقویٰ، بے نفسی و خشیت الٰہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کی شخصیت کے نمایاں ترین جوہر تھے۔ ان کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کے لیے ان کے چند ممتاز ترین شیوخ، تلامذہ کا مختصر تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تابعین کرام میں سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک کے شاگرد یحیی بن سعید اور سلیمان بن طرخان تیمی سے اکتساب فیض کیا تھا یحیی حدیث کی روایت کے ساتھ تفقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔ یزید بن ہارون نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں[۱] سلیمان تیمی (المتوفی ۱۴۳ھ) کا طغرائے امتیاز زہد و ورع اور عبادت و ریاضت تھا۔ وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے[۲]۔

حافظ یزید زمرۂ اتباع تابعین میں، امام شعبہ، سفیان ثوری، عبد العزیز بن عبد اللہ الماجشون، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ سے مستفید ہوئے تھے، امام شعبہ کا

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲۵، ۲ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۱۲۔

شمار اگرچہ کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے علم وفضل، دیانت وتقوی اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کیئے جانے کے مستحق ہیں۔ انھوں نے دو صحابیوں حضرت انس بن مالکؓ اور عمرو بن مسلمہ کو دیکھا تھا۔ رویت صحابہ کا یہ فضل انکی تابعیت کے لیے کافی ہے۔ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے وہ امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔[1]

امام سفیان ثوری زمرہ اتباع تابعین کے گل سرسبد تھے، علم وفضل کے لحاظ سے ان کا شمار ان ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، جو ایک جداگانہ فقہی مسلک کے بانی تھے گو ائمہ اربعہ کے مسلک کے سامنے اس مسلک کا چراغ زیادہ دنوں تک نہ جل سکا تاہم فقہ وحدیث کی تمام کتابوں میں ائمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوری کی آراء واجتہادات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس عہد میں جن علماء کو قرآن اور اسکی تفسیر وتاویل سے خاص شغف تھا۔ اور جنھوں نے اس فن میں اپنی تاریخی یادگاریں بھی چھوڑی ہیں، ان میں امام موصوف بھی ہیں ان کی یہ تفسیر ابھی حال میں چھپ گئی ہے۔

عبد العزیز بن عبد اللہ الماجشون (المتوفی سنہ ۱۶۴ھ) ایسے جلیل القدر فقیہ تھے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے ان کو اس فن میں امام مالک پر بھی فوقیت دی ہے۔[2] اسی بنا پر مدینہ میں سرکاری طور پر صرف دو ہی آدمی فتوی دینے کے مجاز تھے، ابن الماجشون اور امام مالک۔ علم وفضل کے ساتھ جواہر عمل سے بھی مالامال تھے۔ زہد وتقوی کے بلند مقام پر متمکن تھے۔ خطیب بغدادی نے احکام ومسائل میں ان کے صاحب تصانیف ہونے کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۶۰ ۲ تہذیب التہذیب ج ۶ / ۳۴۳

۳ تاریخ بغداد ج ۱۰ / ۴۳۹

حماد بن زید (المتوفی سنہ ۱۷۹ھ) حصول علم کے بعد اگرچہ دولت بینائی سے محروم ہوگئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ مقام پیدا کیا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ امام الجرح والتعدیل عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا۔ ابو عاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت واخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا۔[1] یزید بن زریع ان کو سید المحدثین کہکر پکارتے تھے۔[2] وہ بے نظیر قوت حافظہ کے مالک تھے، عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔[3] حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ عبد الرحمن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔[4]

حماد بن سلمہ (المتوفی سنہ ۱۶۷ھ) اپنے علم وفضل کے ساتھ زہد واتقا اور تدوین حدیث میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ بقول حافظ ذہبی "وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف وتالیف میں حصہ لیا تھا۔[5]

حدیث کے تمام مجموعوں میں حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں، خصوصیت سے ابو داؤد الطیالسی نے جو ان کے تلمیذ رشید ہیں اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ اسی طرح یحیی بن ضریس کے پاس انکی دس ہزار مرویات تھیں، تبحر علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے۔ امام عبد الرحمن بن مہدی فرماتے تھے۔ کہ حماد بن سلمہ

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰ ۲ ایضاً۔ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶

۴ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰ ۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۲

کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل آپ کو موت آجائے گی تو اس سے زیادہ عمل
کی ان کو ضرورت نہ ہوتی۔ [1] ان کی ساری زندگی منتظم تھی کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے تھے۔

مذکورۂ بالا سطور میں حافظ یزید بن ہارون کے چند اساتذہ و شیوخ کے علمی و عملی
علوئے مرتبت کی ایک اجمالی جھلک پیش کی گئی۔ ان منتخب روزگار فضلاء سے اکتساب
ضو کرکے حافظ یزید بھی چشمک زن آفتاب بن گئے تھے۔ اور پھر خود ان کے دبستان علم
سے جن اساطین دہر نے گل چینی کی سعادت حاصل کی ان میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن
راہویہ، یحیی بن معین، علی بن مدینی، اور آدم بن ابی ایاس کے نام قابل ذکر ہیں۔ اور یعرف
الشجر بثمرہ کے مصداق ان ائمہ و حفاظ حدیث میں سے ہر ایک اپنے استاد حافظ یزید کے
نفس و کمال کا شاہد عدل ہے۔

ان مذکورہ بالا تلامذہ میں امام احمد بن حنبل کی شخصیت محتاج بیان نہیں ہے
وہ نہ صرف ایک فقہی مسلک کے بانی اور شہرۂ آفاق مسند کے جامع تھے، بلکہ اپنے
فہم و تدبر، نزاہت نفس، اخلاص، صبر و استقلال، زہد و تقوی اور تواضع و انکسار
کے باعث تاریخ کا ایک درخشاں باب بن چکے ہیں۔ انھوں نے فتنہ خلق قرآن میں
استقامت اور جرأت حق گوئی کا جو بے مثل اور قابل تقلید نمونہ پیش کیا وہ تاریخ
کے اوراق کی زینت ہے۔ اس کا امکان قوی ہے کہ ان کے یہ اوصاف عالیہ
حافظ یزید بن ہارون کے فیضان صحبت کا نتیجہ ہوں جو مامون الرشید کی منشا کے علی
الرغم تمام زندگی پوری جرأت کے ساتھ یہ اعلان کرتے رہے کہ قسم ہے اس ذات
کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ [1]

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲

امام المسلمین اسحاق بن راہویہ (المتوفی ۲۳۸ھ) کا شمار ان اساطین امت
میں ہوتا ہے جنھوں نے دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے بہا خدمات انجام دیں اور
اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں، قوت حافظہ میں ان کی نظیر خال خال ہی ملتی ہے
ابوداؤد خفاف کا (جو ان کے تلامذہ میں ہیں) بیان ہے کہ ایک بار ابن راہویہ نے
گیارہ ہزار حدیثیں املا کرائیں۔ اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا بھی فرق
نہیں تھا۔ [1] امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل جیسے جلیل المرتبت
ائمہ ان سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اور ان سب نے اپنی کتابوں میں ان کی مرویات
نقل کی ہیں۔

حافظ یزید کے تلامذہ میں یحیی بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) جیسے فن اسماء الرجال
کے ماہر بھی شامل تھے۔ پہلی صدی ہجری میں جب پیشہ ور واعظوں اور قصہ گویوں نے گرمی
مجلس کی خاطر بکثرت بے سروپا روایتیں بیان کرنی شروع کردیں تو بے شمار غلط باتیں
رواج پاکر زبان زد خاص و عام ہوگئیں۔ محدثین نے اپنی خداداد فہم و بصیرت سے
اس فتنہ کی اہمیت کو بروقت سمجھ لیا اور ہمت و جرأت کرکے اس کے مقابلہ کے لیے
میدان میں آگئے۔ پہلی صدی کے آخر ہی میں اس اہم کام کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔
مگر دوسری صدی میں محدثین نے باقاعدہ ایک نئے فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈال کر اس
فتنہ کا بڑی حد تک سد باب کر دیا۔ انھوں نے غور و خوض کے بعد اصول و قوانین
مرتب کئے۔ رواۃ کے سیرت و کردار کا ایک معیار مقرر کیا۔ اور پھر اسی کے مطابق
روایات کے رد و قبول کا فیصلہ کیا۔ یحیی ابن معین نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۴۰۹

دشقت کی ہے۔ تہذیب التہذیب اور تاریخ بغداد میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے[1]
بقول صالح بن محمد وہ معاصر ائمہ حدیث میں سب سے زیادہ رجال سے واقف تھے،
مراتب حدیث اور جرح و تعدیل میں ان کے فرط احتیاط اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم
تھا کہ اس خوف سے رات کی نیند حرام ہو جاتی تھی کہ روایت میں کہیں غلطی نہ
ہو گئی ہو یا کسی راوی کی تعدیل و تنقید میں حق و صواب کا دامن نہ چھوٹ گیا ہو۔[2]

علی بن مدینی بھی ابن معین کی طرح جرح و تعدیل کے امام شمار ہوتے ہیں بقول
سفیان بن عیینہ وہ حدیث کا مرجع و ماوی تھے۔ امام بخاری جن کو ان سے شرف تلمذ
حاصل تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی کے علاوہ کسی کے سامنے خود کو حقیر نہیں
سمجھا۔[3] ابن ماجہ اور نسائی نے ان سے بالواسطہ روایتیں کی ہیں۔ وہ محض حدیث کے
حافظ اور راوی نہیں تھے، بلکہ اس کے عارف و ماہر بھی تھے۔ سند و متن رواۃ و
روایت ہر چیز پر ان کی نظر تھی۔ خامیوں اور نقائص کا پورا علم رکھتے تھے۔ ابو حاتم
کا قول ہے کہ علی معرفت حدیث و علل میں ایک علامت و نشان تھے۔[4]

حافظ یزید کے ایک اور ممتاز ترین شاگرد آدم بن ابی ایاس ہیں جو امام شعبہ
کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم قرآن کی کامل معرفت اور اس کی مختلف قرارتوں سے
بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علماء کی اکثریت نے حدیث میں ان کے پایہ ثقاہت پر مہر تصدیق
ثبت کی ہے۔ جلالت علم کے ساتھ عمل اور تقوی و صالحیت کا بھی مجسم پیکر تھے عجلی کا
قول ہے "کان من خیار عباد اللہ"۔[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۳ [2] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۱۲ [3] تہذیب التہذیب ج ۵، ص ۳۵۷ [4] ایضاً [5] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۲۰۵۔

ن کی زندگی سنت نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ علامہ ابن جوزی
لکھتے ہیں۔ "وکان من الصالحین متمسکا بالسنۃ"[1] خطیب بغدادی رقمطراز
ہیں۔ "کان احد عباد اللہ الصالحین"[2]

زیر تذکرہ حافظ یزید بن ہارون کے اساتذہ و شیوخ کے مقام بلند کی طرف
جو مذکورہ بالا اشارات کئے گئے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس نے
ایسے یگانہ عصر ماہرین فن سے کسب فیض کیا ہو۔ اور پھر جس کے حلقہ اثر میں ایسے
ایسے بے نظیر اہل فضل و کمال شامل ہوں خود اس کے علوئے شان کا کیا عالم
ہو گا۔ اس لئے ذیل میں ہم حافظ یزید بن ہارون کے حالات و کمالات کا ایک اجمالی
جائزہ پیش کرتے ہیں۔

نام و نسب | یزید نام اور ابو خالد کنیت تھی۔ اصل وطن واسط (عراق) تھا۔ بنو اسلم کے
غلام ہونے کے باعث اسلمی، اور وطن کی نسبت سے واسطی کہے جاتے ہیں۔[1]

ولادت اور تعلیم و تربیت | اپنے وطن واسط میں ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا
بیشتر حصہ وہیں گذرا۔ اس لیے اغلب ہے کہ ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی ہو گی، اسوقت
واسط میں شعبہ بن الحجاج ابو مالک وغیرہ کے حلقہائے درس قائم تھے، امام یزید نے
ان ائمہ سے اکتساب فیض کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور ہر خرمن علم سے خوشہ
چینی کی کوشش کی۔

شیوخ و تلامذہ | انکے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے، مشہور اشخاص کے حالات
گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔

---

[1] تہذ التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۷ میں

شیخ یزید کے شیوخ کی مذکورۂ بالا فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے تقریباً تمام ہی اسلامی ملکوں کے شیوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

واسط سے باہر جانے کی وجہ سے وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ "حاسدوں کی وجہ سے واسط میں رہکر علم و فضل میں ممتاز ہونا نہایت مشکل تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہاں رہکر کوئی بھی علم میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا کیا آپ بھی واسط میں رہکر ہم میں بلند پایہ نہ ہوسکے۔" فرمایا۔ ہاں!

ما عرفت حتی خرجت من واسط — میں بھی اس وقت تک معرفت حاصل نہ کرسکا جب تک واسط سے باہر نہیں آیا۔

قوتِ حافظہ

گو امام یزید فقہ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ لیکن ان کا اصل طغرائے کمال فن حدیث تھا۔ اور بلاشبہ اس میں انھوں نے غیر معمولی درک بہم پہونچایا تھا۔

خداوند قدوس نے انھیں ذہانت اور قوت حافظہ کی غیر معمولی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس حیثیت سے وہ بلاشبہ اپنے بہت سے ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ حتیٰ کہ بعض محققین نے انھیں قوت حفظ میں امام وکیع پر بھی فوقیت دی ہے[1]۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ ازبر ہیں۔ اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔

بالخصوص شامیوں کی روایتیں ان کو کثرت سے حفظ تھیں کہتے تھے کہ مجھے شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ ان کے بارے میں ان سے سوال کی ضرورت نہیں تھی[2]۔ امام جرح و تعدیل علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے

[1] تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۰ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹

زیادہ قوی الحفظ کسی کو نہیں دیکھا[1]۔ ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ما رأیت احدا احفظ من الصغار و الکبار من یزید بن هارون[2] — میں نے صغار و کبار میں یزید بن ہارون سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے کہ عراق کے حفاظ حدیث چار ہیں دو شخص ادھیڑ عمر کے اور دو سن رسیدہ۔ مؤخر الذکر تو ہشیم اور یزید بن ربیع ہیں اور ادھیڑ عمر کے وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون ہیں۔ لیکن آخر میں فرماتے ہیں۔

واحفظ الکهلین یزید بن هارون[3] — ان دونوں ادھیڑوں میں یزید بن ہارون زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں۔

عمر کے آخری حصہ میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس لئے کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب کسی حدیث کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوتا تو اس کی توثیق و تصدیق کے لئے اپنی تربیت یافتہ ایک لونڈی سے پڑھوا کر اطمینان کر لیتے تھے۔ بعض محدثین اس بات کو ان کے ضعف حفظ کی دلیل قرار دیتے تھے،

لیکن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ متعدد ائمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کے غیر معمولی حفظ کا اعتراف کیا ہے، اور یہ تسلیم کیا ہے کہ انھیں اپنی روایت کی ہوئی حدیثیں خوب یاد تھیں، البتہ بڑھاپے میں فرط ضعف اور نابینائی کی وجہ سے ان کو اپنے حافظہ پر پورا اعتماد نہ تھا۔ اس لیے جب حدیث کے بارے میں تردد ہوتا تھا تو اس کی توثیق لونڈی سے کتاب پڑھوا کر کر لیتے تھے۔ ان کا یہ فعل کمال احتیاط کی

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۶ - [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۳۹

[3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۶ -

دلیل ہے۔ نہ کہ ان کے ناقابلِ اعتماد ہونے کی[1]۔

ان کا حافظہ بڑھاپے میں ممکن ہے کچھ کم ہو گیا ہو مگر اس کی وجہ سے ان کے اتقان فی الحدیث میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی، چنانچہ متعدد ائمہ حدیث نے ان کے اتقان فی الحدیث کی تعریف کی ہے، ابو زرعہ فرماتے ہیں۔ والاتقان اکثر من حفظ السرد اتقان فی الحدیث سندوں کے یاد رکھنے سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔

خود یزید بن ہارون کو بھی اپنے حافظہ پر پورا وثوق اور اعتماد تھا۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ ہارون السلمی آپ کے پاس اس لیے آرہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں ردوبدل کر کے آپ کے حافظہ کا امتحان لے اسی اثنا میں ہارون آموجود ہوا۔ یزید نے اس کی آواز سن کر کہا ہارون مجھکو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میرے قوت حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھپر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی جیسی کوشش کر لیجیے خدا مجھکو قیامت کے دن کھڑا نہ کرے۔ اگر میں اپنی احادیث کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں۔"

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزید نے فرمایا میں بیس ہزار احادیث رکھتا ہوں جسکا جی چاہے ان میں کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے[2]۔

درس حدیث — شیخ یزید کا مستقل حلقہ درس واسط میں تھا۔ مگر وہ کبھی کبھی بغداد میں بھی آکر تشنگان علم کو سیراب کرتے تھے خطیب کا بیان ہے کہ

قدم یزید بغداد وحدث بها ثم عاد الی واسط[3]۔	شیخ یزید بغداد آئے وہاں درس حدیث دینے کے بعد واسط چلے گئے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۷ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲

[3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۳۶۔

کبار ائمہ حدیث ان سے کسب فیض کو باعث شرف و افتخار تصور کرتے تھے ان کی مجلس درس میں طالبان علم کا بیحد ہجوم رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی طلبہ کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی، یحیی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ میں بغداد میں ان کی مجلس میں شریک تھا۔

وکان یقال ان فی المجلس سبعین الفاً[1]	کہا جاتا تھا کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار لوگ شریک تھے۔

فقہ — حدیث کے ساتھ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، ابو عبداللہ سے کسی نے دریافت کیا یزید بن ہارون فقیہ بھی تھے، فرمایا ان سے زیادہ ذہین و فہیم میری نظر سے نہیں گذرا۔ سائل نے پھر کہا کہ اچھا ابن علیہ کے متعلق کیا خیال ہے بولے وہ فقیہ تو ضرور تھے۔ لیکن مجھکو ان کی نسبت اتنا علم نہیں جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے[2]۔

زہد و عبادت — علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت کی صفات بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں، وہ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے۔ اور خوف خدا سے ہمہ وقت لرزتے رہتے تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ جن کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا[3]۔

احمد بن سنان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جو یزید بن ہارون سے زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو۔ وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۱ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۰

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۹

ہوتا تھا، کہ گویا کوئی ستون ہے، جو بے حس و حرکت اپنی جگہ پر نصب ہے فرصت ہوتی تو وہ مغرب و عشا اور ظہر و عصر کے درمیان میں نوافل پڑھا کرتے تھے، اس عہد میں یزید بن ہارون اور ہشیم دونوں طویل نماز پڑھنے میں مشہور تھے۔ کثرت نوافل اور کثرت تلاوت کے باوجود یہ خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا تھا کہ مبادا قرات قرآن میں کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت میں قابل مواخذہ قرار پائیں فرمایا کرتے کہ مجھکو ڈر ہے کہ قرآن میں کسی غلطی کے صادر ہو جانے سے میں ان خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

يقرؤن القرآن لا يجاوز حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية[1]

وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا وہ دین سے اس طرح باہر ہو جاتے ہیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

عاصم بن علی کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے پاس رہے اس اثنار میں میں نے یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گزار دیتے تھے ایک شخص نے حضرت یزید سے پوچھا، آپ شب میں کتنی دیر سوتے ہیں، بولے اگر میں رات میں سوتا ہوں تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کر دے۔[2]

خوف خدا

یزید بن ہارون پر خشیت الٰہی کا غلبہ اس درجہ رہتا تھا کہ ان کی

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۴ [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۴۱

آنکھیں ہر وقت پرنم رہتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی سے محروم ہو گئے کسی نے دریافت کیا آپ کی دونوں خوبصورت آنکھیں کیسے ضائع ہو گئیں، فرمایا

ذهب بهما بكاء الاسحار[1]

گریہ صبح گاہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں۔

عزت و وقار

ان کے علم و فضل زہد و اتقا اور جذبہ امر بالمعروف کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ خلفاء وقت تک کوئی غلط اقدام کرنے سے ڈرتے تھے۔

خلق قرآن کے مسئلہ کی ابتدا تو دوسری صدی کی ابتدا میں ہو چکی تھی۔ مگر امام بن حنبل کے عہد میں اس نے ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر لی تھی معتزلہ کے اثر سے مامون بھی اس کا قائل ہو گیا تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کرے لیکن حضرت یزید بن ہارون کے خوف سے اس کے اظہار کی جرات نہ کر سکا قاضی یحیی بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا۔

لولا مكان يزيد بن هارون لاظهرت القرآن مخلوق[2]

اگر یزید بن ہارون کے مرتبہ اور اثر کا خیال نہ ہوتا جو لوگوں کی نگاہ میں ہے تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اعلان کر دیتا۔

کسی درباری نے پوچھا امیر المومنین یہ یزید بن ہارون کون ہیں، جن سے آپ بھی اس قدر خوف زدہ رہتے ہیں مامون نے جواب دیا میں ان سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت یا اقتدار ہے۔ بلکہ مجھے خوف یہ ہے، کہ اگر میں اپنے

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۹ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲

عقیدہ کا اظہار کر دوں اور وہ میری تردید کر دیں تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گا۔ اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں" وہ شخص بولا اچھا میں تصدیق کرتا ہوں۔

چنانچہ شخص مذکور واسط آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا" امیر المومنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کے کلام مخلوق ہونے کا اعلان کر دوں۔ یہ سن کر یزید بن ہارون فوراً بولے تم امیر المومنین پر بہتان طرازی کرتے ہو۔ وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ جن کو وہ نہیں جانتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو مجلس میں دوسروں کی آمد کا انتظار کرو اور جب لوگ آجائیں۔ تو اس بات کا اعادہ کرنا۔

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز مجلس گرم ہوئی تو یہ شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے پہلے روز والی بات دہرائی کہ امیر المومنین کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا اظہار کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یزید بن ہارون نے پوری دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ تم امیر المومنین پر تہمت باندھتے ہو وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کر سکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں اور جس کا قائل کوئی ایک شخص بھی نہ ہوا ہو۔

اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ امیر المومنین آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست تھا۔ اس معاملہ میں بلا شبہ آپ کا علم بہت زیادہ تھا۔[1]

یزید بن ہارون کو معلوم تھا کہ مامون الرشید کا رجحان خلق قرآن کی طرف ہے

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲

لیکن اس کے باوجود ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہو کر اعلان کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔[2]

بے نفسی | انسان فطرۃً خود پسند واقع ہوا ہے، لیکن ائمہ کرام کی زندگیوں کا یہ درخشاں رخ ہے کہ انھیں ہمیشہ اپنی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، وہ اپنی تعریف و توصیف پر بجائے خوش ہونے کے ناپسندیدگی ظاہر کرتے تھے۔ یزید بن ہارون عمر بھر اسی عجز و فروتنی کا کامل نمونہ تھے

علی بن الجندی الحرانی اس عہد میں ایک پرگو شاعر تھا۔ اس کو ان سے قلبی عقیدت تھی ایک مرتبہ اس نے حاضر ہو کر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا جس میں تشبیب کے بعد وہ کہتا ہے۔

الی یزید بن ہارون الذی کملت   فیہ الفضائل او اشفی علی ختن
حتی اتیت امام الناس کلھم   فی العلم و الفقہ و الآثار و السنن
والدین و الزھد و الاسلام قد علموا   والخوف للہ فی الاسرار و العلن
برا، تقیاً، نقیاً، خاشعاً، ورعاً   مبرأ من ذوی الآفات و الابن
ماذاک منکان طفلا فی شبیبتہ   حتی علاہ مشیب الراس و الذقن

شاعر نے اس قصیدہ کو نہایت دلسوزی اور محبت کے ساتھ لکھا تھا۔ اس لیے طبیعت پر جبر کر کے سن تو لیا مگر بقول راوی ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب شاعر نے وہ اشعار پڑھے جن میں شیخ کی مدح کی گئی تھی تو آپ نے اس کو روک دیا اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگے۔[3]

[2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲۔ [3] ایضاً

امر بالمعروف نہی عن المنکر | امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ عہد صحابہ اور تابعین میں عام تھا۔ یزید بن ہارون بھی اس کا مجسم نمونہ تھے، مامون جیسے باجبروت خلفا بھی اس بارے میں شیخ سے خوف زدہ رہتے تھے، محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ہارون ان بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا، یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں وکان یعد من الآمرین بالمعروف والناھین عن المنکر۔[۱]

مرجع خلائق | یزید بن ہارون اپنے علمی فضائل اور عملی کمالات کے باعث عوام و خواص کے مرجع بن گئے تھے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی مجلس میں بسا اوقات ستر ستر ہزار کا مجمع رہتا تھا۔[۲]

ابو بکر یحی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم یزید بن ہارون کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگ ان پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بارش کر رہے تھے۔ لیکن وہ خود خاموش تھے۔ اور کسی کو کوئی جواب نہ دیتے تھے، جب سب خاموش ہوگئے تو آپ نے فرمایا ہم واسط کے رہنے والے ہیں اور واسط کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہیں یعنی ہم لوگ ایسی باتوں کا جواب دیکر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔[۳]

وفات | بالآخر ۲۰۶ھ میں واسط میں علم و فضل کی یہ شمع خاموش ہوگئی، اس وقت ۸۸ برس کی عمر تھی۔[۴]

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۴۔ ۲؎ التہذیب ۱۱ ص ۳۶۹ ۳؎ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۵۔ ۴؎ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۰ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۶

عربی شاعری مغلوں کے عہد میں

از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم

شعر العجم، اور شعر الہند کے بعد شعر العرب کی اشاعت بھی دار المصنفین کے پیش نظر تھی، چنانچہ اس کے رکن اور ملک کے ممتاز مصنف مولانا عبد السلام ندوی مرحوم شعر الہند کی طرح اس کو بھی مرتب کرنا چاہتے تھے، مگر افسوس کہ یہ نامکمل رہ گئی، شعر العرب کے کچھ اجزا مرحوم کی زندگی میں معارف میں چھپے تھے۔ اس شمارہ میں بھی اس کا ایک ٹکڑا ادبی تبرک کی حیثیت سے قارئین معارف کی ضیافتِ طبع کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔

مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان میں کوئی قابل ذکر شاعر نہیں پیدا ہوا، البتہ ان کے حدود سلطنت کے باہر مصر و شام میں جو قابل ذکر شعرا گذرے ہیں، اس تحریر میں ان کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے، اختصار کی وجہ سے مثالیں نہیں دی گئی ہیں۔ امید ہے کہ عربی شعر و ادب کے قدرداں اس خوان ادب سے لطف اندوز ہوں گے انشاء اللہ بقیہ اجزا کو بھی جو محفوظ رہ گئے ہیں آیندہ وقتاً فوقتاً شائع کیا جائے گا "معارف"

مغلوں کے جابرانہ اقتدار نے لوگوں کی زبانوں اور عقلوں پر مہر لگادی، اس لیے

طبیعتوں پر جمود کا عالم طاری ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس دور میں کوئی قابل ذکر عربی شاعر پیدا نہ ہو سکا، البتہ مغلوں کی سلطنت سے باہر بالخصوص مصر و شام میں چند قابل ذکر شعراء پیدا ہوئے، اور دوسرے ملک بھی اگرچہ خوش گو شعراء سے خالی نہ تھے۔ تاہم عام طور پر شاعری کوئی اہم چیز نہیں رہی، بلکہ ایک لفظی صنعت بن گئی۔ اور شعر و ادب دونوں باہم مخلوط ہو گئے۔ اور شعراء شاعری کے علاوہ ادب، مواعظ و حکم وغیرہ کی کتابیں لکھنے لگے۔ فن شعر مبتذل ہو گیا۔ اور لوگ اوقات فرصت میں دل بہلانے کے لیے شعر کہنے لگے، اور تجار اور پیشہ ور لوگ مثلاً درزی، بڑھئی، اور گندھی وغیرہ سب کے سب شاعر ہو گئے۔ اگرچہ یہ اس دور کی مخصوص خصوصیت نہ تھی، بلکہ اس سے پہلے بھی عوام کے گروہ میں شعراء پیدا ہوئے ہیں، لیکن جب وہ شاعری میں کمال پیدا کر لیتے تھے، تو خلفاء و امراء کے مقرب بارگاہ ہو کر اپنے پیشہ سے بے نیاز ہو جاتے تھے، اور معجزانہ شعر کہنے لگتے تھے۔ جیسا کہ شعرائے امویہ و عباسیہ میں اس قسم کے بہت سے شعراء پیدا ہوئے۔ لیکن مغلوں کے دور میں ادبی کساد بازاری کی وجہ سے کوئی شاعر، شاعری سے کسب معاش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے پیشے سے الگ نہیں ہوتا تھا، اور شاعری صرف دل بہلانے کے لیے کرتا تھا۔

بدوی اور حورانی

عجمیوں کے کثرت اختلاط سے فصیح عربی زبان خراب ہو گئی، اس لیے شعراء کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا، جس کو ابن خلدون مستعجمہ کہتا ہے، یہ شعراء غزل، مدح، مرثیہ اور ہجو سب کچھ پہلے شعراء کی طرح کہتے تھے۔ لیکن ان کے اشعار اعراب سے خالی ہوتے تھے، اور ان میں بہت سے عامیانہ الفاظ شامل ہوتے تھے، یہ شعراء پہلے اپنے نام سے قصیدہ کی ابتدا کرتے تھے، پھر تشبیب کہتے تھے، اس کے بعد اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تونس الجزائر اور مراکش میں ان شعراء کا بہت بڑا گروہ پیدا

ہو گیا تھا، جو اپنے قصائد کو "اصمعیات" اور اہل مصر و شام ان کو بدوی کہتے تھے، وہ اس کو گا کر پڑھتے تھے، اور اس راگ کو بدوی عربوں کے مقام حوران کی نسبت سے "حورانی" کہتے تھے، ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں نقل کی ہیں،

عروض البلد، موالیا وغیرہ

اس دور میں مربع اور مخمس کی ایجاد ہوئی جس میں ہر شعر کے چوتھے قافیہ کا التزام کرتے تھے، اس صنف کو مولدین نے آٹھویں صدی ہجری میں ایجاد کیا، ابن خلدون نے ایک اور صنف شعر کا ذکر کیا ہے۔ جو موشح کے مثل تھی اہل شہر، شہری زبان میں اس کو نظم کرتے تھے، اور اس کو "عروض البلد" کہتے تھے۔ سب سے پہلے ایک اندلسی ابن عمیر نامی نے جو فاس میں آیا تھا، اس کو ایجاد کیا اور موشح کے طریقہ پر ایک قطعہ نظم کیا، لیکن اوس نے اوس میں اعراب کو قائم رکھا تھا، اس کے بعد اہل فاس نے اوس کو پسند کیا اور تغیر اعراب کے اس طریقہ کے مطابق نظم کہنے لگے، پھر اس کو مختلف اصناف مثلاً فردوج کاری ملعبہ اور غزل میں تقسیم کیا، یہ شام کے عام لوگوں کی اوس نظم کے مشابہ ہے، جس کو قصید یا "قرنیفی" کہتے ہیں، اور اس اخیر صنف کو ایسے اوزان میں نظم کرتے ہیں، جن میں بعض سریانی ہیں، اس دور میں ایک عامیانہ صنف شعر کو پختگی حاصل ہوئی۔ جس کو موالیا کہتے ہیں، اس کا رواج بغداد میں تھا، اور اس کی مختلف قسمیں تھیں، مثلاً "قوما" "کان وکان" "مفرد اور دوبیت" پھر وہ منتقل ہو کر بغداد سے قاہرہ میں آئی، اور اسی زمانہ سے وہاں اس کا رواج ہوا اور مصریوں نے اس میں خوب خوب داد سخن دی، چونکہ اس دور سے پہلے جنگ صلیبی کے زمانے میں اہل فرنگ نے شام میں بہت دنوں تک قیام کیا تھا۔ اس لیے ظن غالب

یہ ہے کہ ان کا اثر ادیبوں پر پڑا، جو ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ گوئی

اس دور کے اخیر میں حروف تہجی کے ذریعہ سے کسی واقعہ کی تاریخ نکالنے کا رواج ہوا، پہلے ادبا نے نثر میں اس سے کام لیا، اور اس کی سب سے قدیم مثال ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کی فتح ہے، جس کو عثمانیوں نے "بلدۃ طیبۃ" کے لفظ سے نکالا، ایک دوسرے شخص نے ایک سبیل کی، جو ۹۶۹ھ میں قائم ہوئی ان الفاظ میں تاریخ نکالی، "رحم اللہ من ورد و شرب" اس تاریخ سے پہلے نظم میں بھی شعرا نے تاریخیں نکالیں، چنانچہ ۹۲۳ھ میں ابن المؤید الاماسی کی وفات ہوئی، تو ایک شاعر نے اوس کی یہ تاریخ کہی،

قل للذی یبتغی تاریخ رحلتہ   نجل المؤید مرحوم و مبرور

اور صرف شعر کے دوسرے مصرعے کے حساب سے تاریخیں نکالیں،

۹۷۵ھ میں محمد پاشا مقتول والی مصر کی وفات ہوگئی، تو ایک شاعر نے یہ تاریخ نکالی،

قتلہ بالنار نور   وھو فی التاریخ "ظلمہ"

اس کے بعد شعرا نے فن تاریخ گوئی میں نہایت وسعت پیدا کی، یہاں تک کہ ایسے قصائد نظم کرنے لگے جن کا ہر مصرع تاریخ ہوتا تھا، بعض اوقات اشعار کی ابتدا کے حروف لے لیے جاتے ہیں، جن سے ایسے الفاظ جمع ہو جاتے ہیں کہ اون سے اشعار بن جاتے ہیں۔ اور ان کے ہر مصرع سے ایک یا دو تاریخیں نکل آتی ہیں، جیسا کہ ۱۱۳۶ھ میں نحلاوی نے شیخ عبد الغنی النابلسی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، اور ۱۲۶۱ھ میں شیخ ناصیف الیازجی نے ابراہیم پاشا کی مدح میں ایک قصیدہ اوس کے جواب میں لکھا، دوسرے شعرا نے اس میں یہ جدت پیدا کی کہ ہر شعر کے غیر منقوط

حروف سے ایک تاریخ اور منقوطہ سے دوسری تاریخ نکالی،

شعرا مغلوں کے دور میں

اس دور میں ہم نے شعرا کی تقسیم اون کے وطن کے لحاظ سے کی ہے، اور شعرائے مصر و شام کے لیے ایک فصل خاص کر دی ہے، دوسرے شعرا کے لیے اور فصلیں قائم کی ہیں، اور صرف انہی مشہور شعرا کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں، جو دستیاب ہو سکتی ہیں، اور پھر سنہ وفات کی ترتیب کے موافق اُن کا تذکرہ کیا ہے،

شعرائے مصر و شام

التلعفری المتوفی ۶۷۵ھ

شہاب الدین محمد بن یوسف بن مسعود بن برکۃ الشیبانی التلعفری ۵۹۳ھ میں پیدا ہوا، اور اکابر و سلاطین کی مدح کی جن میں ایک الملک الاشرف موسیٰ ایوبی تھا۔ اوباش اور قمار باز تھا۔ اور ملک اشرف اس کو جو کچھ دیتا تھا۔ اُس سے جوا کھیل جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اوس سے اوس کو حلب میں جلا وطن کر دیا۔ وہاں اوس نے عزیز غیاث الدین کی مدح کی اور اوس نے اس کے ساتھ سلوک کیا، لیکن اوس نے اس کے ساتھ بھی یہی طرز عمل اختیار کیا، اس لیے حلب میں یہ منادی کرا دی گئی کہ جو شخص شہاب تلعفری کے ساتھ جوا کھیلے گا اوس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا، اب اس پر زمین تنگ ہوگئی۔ اور دمشق میں چلا آیا، اور بھیک مانگ کر برابر جوا کھیلتا رہا۔ اخیر میں زمان رداے حمار کا ندیم ہوا، اور اسی حالت میں وفات پائی۔ اس کا دیوان ۱۳۱۰ھ میں بیروت میں چھپ گیا ہے، اور فوات الوفیات (جلد ۲ صفحہ ،، ۲) میں اسکے اشعار کی بہت سی مثالیں ہیں۔

۲۔ الشاب الظریف المتوفی ۶۸۸ھ

اس کا نام محمد بن سلیمان ہے، ۶۶۱ھ میں مصر میں پیدا ہوا اور اپنے باپ عفیف الدین تلمانی سے پہلے عنفوان شباب میں

وفات پائی۔ اوس کے اشعار لطافت میں مشہور ہیں، اور اس کا دیوان متعدد بار مصر وغیرہ میں چھپ گیا ہے۔ دوسری ادبی کتابیں بھی اس کی تصنیفات میں ہیں، جنا میں سب سے اہم مقامات ہے، جس کے نسخے پیرس اور برلن میں ہیں، (فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۱۱)

۳۔ عفیف الدین تلمسانی المتوفی سنہ ۶۹۰ھ — اس کا نام سلیمان بن علی بن عبداللہ ہے، اور وہ الشاب الظریف کا باپ ہے، اوس کا خاندان کوفہ کا رہنے والا تھا، اور وہ تصوف کا مدعی تھا، اور صوفیوں کی اصطلاح میں کلام کرتا تھا، بعض لوگ اس کو بددین اور نصیری مذہب کی طرف مائل سمجھتے ہیں، نہایت شریفانہ اخلاق رکھتا تھا، اور صاحب وجاہت تھا، اس نے متعدد شہروں میں سرکاری خدمات انجام دیں، دمشق میں سرکاری خزانہ سے تعلق رکھتا تھا، اور شاہ دمشق کے دربار میں معزز تھا، وہ صوفی تھا۔ اور بلاد روم میں چالیس خلوت خانے تعمیر کیے، غرض اس کے عقیدہ و طریقے میں ہم رنگی نہ تھی، دمشق میں سنہ ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔ اوس کا دیوان حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اور اس کے نسخے برلن، لندن، اور اسکوریال میں ہیں، اس کی ایک کتاب عروض میں بھی، برلن میں ہے۔ (فوات الوفیات جلد اول ص ۱۰۸)

۴۔ البوصیری المتوفی ۶۹۵ھ — امام محمد بن سعید الصنہاجی البوصیری صاحب بردہ کے باپ ماں میں سے ایک مصر میں بوصیرہ کا اور دوسرا دلاص کا رہنے والا تھا، اس لیے بعض لوگ اوس کو دلاصیری بھی کہتے ہیں، وہ قصیدہ بردہ کی وجہ سے جس کو اوس نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی نعت میں لکھا ہے، مشہور ہوا، یہ قصیدہ

الکوکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے مشہور ہے، اور اوس میں ۱۶۲ اشعار ہیں، ۱۰ مطلع میں، ۱۶ تشویلہ نفس و ہوائے نفس میں، ۲۰ نعت میں، ۱۹ آپ کی ولادت میں، ۱۰ دعا میں، ۱۰ قرآن مجید کی مدح میں، ۳ معراج میں، ۲۲ آپ کے جہاد میں، ۱۴ استغفار میں اور بقیہ اشعار مناجات میں ہیں، بہت سے لوگوں نے اس قصیدے کی شرح لکھی ہے، اور وہ بار بار چھپ چکا ہے، اوس نے اور قصیدے بھی لکھے ہیں، جن میں قصیدۂ نونیہ میں شرقیہ مصر کے بعض عہدہ داروں کی ہجو لکھی ہے۔ فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۰۶) میں اوس کے حالات کے ضمن میں اوس کا بعض حصہ شائع ہوا ہے، سعاد کے متعلق بانت سعاد کے وزن میں اوس کا قصیدہ ہمزیہ ہے،

۵۔ سراج الدین الوراق المتوفی۔ ۶۹۵ھ۔ — عمر بن محمد بن حسن الوراق یوسف سیف الدین بن سپہ سالار والی مصر کا میر منشی تھا۔ وہ نہایت پرگو شاعر تھا، اور علم بدیع سے واقف تھا۔ صاحب فوات الوفیات نے لکھا ہے، کہ مجھکو اوس کا دیوان خود اس کے قلم کا لکھا ہوا سات بڑے اجزا میں ملا، اور یہ وہ دیوان ہے جس کو اوس نے اپنے لیے انتخاب کیا تھا۔ اور قائم رکھا تھا، غالبًا اصل دیوان پندرہ جلدوں میں تھا، اور ہر جلد کی دو جلدیں ہو سکتی تھیں، اس لیے اوس کا دیوان بلا لحاظ اچھے اور برے اشعار کے کم از کم ۳۰ جلدوں میں تھا، اور اس کا خط نہایت عمدہ اور پختہ تھا۔ اس کے دیوان سے صلاح الدین صفدی نے ایک مجموعہ انتخاب تیار کر کے حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا، جس کا نام "لمع السراج" رکھا، اور اس کا ایک نسخہ برلن میں ہے، (فوات الوفیات ج ۲ ص ۱۰۷)

۶۔ شہاب الدین العزازی، متوفی سنہ ۷۱۰ھ — احمد بن عبد الملک العزازی قاہرہ میں قیساریۂ

جو کس میں بزازی کا پیشہ کرتا تھا، اور ظرافت و مذاکرہ کے لیے شعر کہتا تھا، ظریف اور خوش گو تھا، بالخصوص موشح کو نہایت خوبی کے ساتھ لکھا ہے، اوس کا میلان چیستان گوئی کی طرف تھا، اور اوس نے اچھے اچھے چیستان لکھے ہیں، اوس نے اپنے دیوان کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے، ایک باب نعت رسول میں دوسرا امراء اور وزرا وغیرہ کی مدح میں اور بقیہ ابواب چیستان اور ہجو وغیرہ میں ہیں اور اوسکی ایک کتاب غرائب الاوزان اون مخمسات و موشحات میں ہے، جن کو اندلسیون نے ایجاد کیا تھا۔ اوس کا ایک ناقص نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں ۱۲۰ صفحات میں ہے۔ فوات الوفیات (ج ۲ ص ۸۴) میں اوس کا جو حال ہے۔ اوس میں اوس کی نظم کی مثالین درج ہیں، درر کامنہ ج ۳ میں بھی اوس کا تذکرہ ہے۔

۷۔ ابن دانیال الموصلی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ	شمس الدین محمد بن دانیال بن یوسف الموصلی الطبیب ادیب ایک باکمال ناظم و ناثر تھا، صلاح الدین صفدی نے اس کو

اپنے زمانہ کے ابن حجاج اور اپنے شہر کے ابن سکرہ کا خطاب دیا ہے، فوات الوفیات (ج ۲ ص ۱۹۰) میں اوس کے اشعار کی بہت سی مثالیں درج ہیں، اور اس میں مذکور ہے کہ اوس نے سنہ ۷۱۰ھ میں وفات پائی لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ اوس نے خود اوس کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ فتح الدین بن سید الناس نے اوس کو دیکھا تھا، اور سید الناس سنہ ۶۷۱ھ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۷۳۴ھ میں وفات پائی، اس لیے سنہ ۷۱۰ھ ابن دانیال کی وفات خلاف عقل ہے، کشف الظنون میں ہے کہ اوس نے سنہ ۷۱۰ھ میں وفات پائی اور یہی صحیح ہے، ابن دانیال کی ایک کتاب کا نام "طیف الخیال" ہے اوس نے اوس میں لعبت خیال الظل کا وصف بیان کیا ہے، جس کو شام کے لوگ "کراکوز"

کہتے ہیں، اوس کا ایک نسخہ کتب خانہ تیموریہ میں ۱۲۰ صفحات میں ہے، وہ ایک ظریفانہ ناول کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں بہت سی رندانہ ظریفانہ باتیں اور فحش الفاظ ہیں، اگر یہ معائب نہ ہوتے تو وہ ایک ڈراما کے قسم کی کتاب ہوتی۔ جس کی مثالیں اوس زمانہ مین عربی میں بہت کم ہیں۔

۸۔ ابن نباتہ المصری المتوفی سنہ ۷۶۸ھ	جمال الدین ابو بکر محمد بن محمد بن الحسن الجذامی المصری مصر میں سنہ ۶۸۶ھ میں پیدا ہوا، اور وہیں سنہ ۷۶۸ھ میں وفات

پائی۔ وہ نظم و نثر میں شہرت رکھتا ہے۔ اور نثر میں قاضی فاضل کی روش اختیار کی ہے، اوس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک بڑا دیوان جو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اور اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں ۳۵۶ صفحات میں ہے، اوس کا بعض حصہ اسکندریہ میں بغیر تاریخ کے چھپا ہے، اور اس کا دوسرا ٹکڑا مصر وغیرہ میں سنہ ۱۲۹۹ھ میں چھپا، پورا دیوان مصر مین سنہ ۱۳۲۳ھ میں چھپا۔

(۲) القطر النباتی۔ اس میں صرف اوس کے قطعات ہیں، اور اس کا نسخہ پیرس میں ہے،

(۳) تعلیق الدیوان رسالوں وغیرہ کا مجموعہ ہے، اور اس کا نسخہ برلن میں ہے۔

(۴) مطلع الفوائد و مجمع الفرائد وہ ادب کی ایک جامع کتاب ہے۔ اور اوس کا نسخہ پیرس میں ہے۔

(۵) سجع المطوق، مطلع الفوائد کی تقریظ اور تقریظ نگاروں کے حالات اور اوس کے احباب کی خط و کتابت کا مجموعہ ہے، کتب خانہ خدیویہ میں اوس کا ایک نسخہ

۱۲۶ صفحات میں ہے۔

(۶) سرح العیون فی شرح رسالۃ ابن زیدون، اس میں اہم تاریخی فوائد درج ہیں، کیونکہ اس میں شعرائے جاہلیت، اور آغاز اسلام میں سے اہم شعراء کا ذکر کیا ہے، اس لیے وہ اون کے حالات و واقعات کی شرح ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ آکسفورڈ میں ہے، اور مصر میں ایک ضخیم جلد میں چھاپا گیا ہے،

(۷) دیوان الخطب، یہ ابن نباتہ کے خطبات کا مجموعہ ہے، اور مصر میں ۱۳۰۲ھ میں اور بیروت میں ۱۳۱۱ھ میں چھپا ہے،

(۸) سلوک دول الملوک، یہ ایک سیاسی نوعیت کی کتاب ہے، یعنی بادشاہوں پر خود اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور اپنی رعایا کے متعلق کیا کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، دائنا کی اکاڈمی میں اس کا ایک نسخہ ہے، اور اسی موضوع پر اوس کے موجز بھی ہیں، جس کا نام فرائد السلوک ہے، اور اس کا نسخہ برلن میں ہے۔

(۹) سوق الرقیق، متغزلانہ رنگ کا قصیدہ ہے، اور اس کے نسخے برلن اور پیرس میں ہیں،

(۱۰) تلطیف المزاج فی شعر الحجاج اس کا نسخہ آکسفورڈ میں ہے، اوس کے اور بھی متفرق قصائد وخطبات یورپ کے کتب خانوں میں ہیں، اور اس کے حالات (دورالکامنہ ج ۳) میں ہیں،

۹۔ ابن ابی حجلہ المتوفی ۷۷۶ھ	ابو العباس شہاب الدین احمد بن یحییٰ التلمسانی نزیل قاہرہ اد نظم وانشاء کا ماہر تھا، اور بہت سے مقامات ومجامیع لکھے ہیں،

جن میں سب سے اہم یہ ہیں۔

(۱) دیوان الصبابۃ یہ شعر وادب کا مجموعہ ہے۔ اور اس کی ابتدا میں مولف کا تذکرہ ہے، جو اوس کی کتاب مغناطیس الدر النفیس سے منقول ہے، یہ دیوان مختلف قسم کے کشتگان عشق کے حالات پر مشتمل ہے، اس نے اوس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس نے صرف چھوٹے چھوٹے نوادر جمع کیے ہیں، اوس نے اوس کو چند ابواب پر منقسم کیا ہے، کوئی باب حسن وجمال میں ہے، کوئی باب ان لوگون کے حالات میں ہے، جو کانا سن کر یا دوسرے طریقہ پر عاشق ہوے، یہ دیوان ۱۲۷۹ھ میں مصر وغیرہ مین چھپا ہے،

(۲) سکردان السلطان، اوس نے اس کو ملک الناصر کے لیے لکھا ہے، اور مختلف قسم کی سنجیدہ ظریفانہ باتوں، نصائح، آداب، سیر اور نوادر پر مشتمل ہے، اور پاکیزہ اسلوب مین لکھا گیا ہے، وہ اس کی ابتدا ساتوین عدد سے کرتا ہے، اس لیے کتاب کو ایک مقدمہ اور سات ابواب پر منقسم کیا ہے۔ مقدمہ اقلیم مصر پر ہے، اور پہلا باب ہفت کشور کے خواص پر دوسرا باب بادشاہ کے تعلق پر اس عدد کے ساتھ، تیسرا باب مناسبت اقالیم پر، چوتھا باب اس پر کہ وہ ساتواں بادشاہ ترکی بادشاہوں سے ہوگا۔ پانچواں باب اس کی سیرت پر، چھٹا باب اتفاقات غریبہ پر اور ساتواں باب کتاب کے بعض الفاظ کی تفسیر میں ہے۔ یہ کتاب اہم تاریخی فوائد پر مشتمل ہے، جن میں ایک حاکم بامر اللہ کی سیرت اور اس کے اعمال غریبہ ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے، وہ ۱۲۹۸ھ میں مصر میں اور ۱۳۱۷ھ میں مخلاۃ کے حاشیہ پر چھپ گئی ہے،

(۳) الطاری علی السکردان، اس نے اس کو سلطان ملک الناصر کی مدح میں پانچ بابون میں لکھا ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ پیرس اور گوٹا میں ہے۔

(۴) سلاۃ الحزین فی موت البنین (۵) منطق الطیر۔

(۶) چند قصائد۔ اسکندریہ کی جنگ پر جو [illegible]ھ میں ہوئی۔ اور یہ تمام کتابیں برلن میں ہیں۔

(۷) جوار الاخیار فی دار القرار۔ عقبہ کے حالات، اور اس کی قبر اور اس کے حسن جوار وغیرہ میں ہے، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں۔ ۴۰۳ صفحات ہیں۔

(۸) الطب المسنون فی دفع الطاعون۔ کتب خانہ خدیویہ میں ہے۔

۱۰- شمس الدین الہواری المتوفی [illegible]ھ | ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن جابر الہواری الاندلسی النصریہ اسپین میں پیدا ہوا، اور مصر میں سفر کر کے آیا اور ابو جعفر غرناطی کے دامن سے وابستہ ہو گیا، پھر دمشق کا سفر کیا، اور آخر میں فرات میں قیام کیا اور وہیں وفات پائی۔ اس نے اپنی حسب ذیل یادگاریں چھوڑی ہیں۔

(۱) بدیعیۃ العمیان یا حلۃ السیری فی مدح خیر الوری۔ اس کا ایک نسخہ برلن میں ہے، اور اس نے اس کی شرح بھی کی ہے، اور اس کا نام طراز الحلہ وشفاء الغلہ رکھا ہے، اور وہ اسکوریال اور کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے،

(۲) کتاب العین فی مدح سید الکونین۔ نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے، جو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اور وہ برلن میں موجود ہے،

(۳) قصیدہ نحویہ ایک قصیدے میں مقصور و ممدود اور دوسرے میں ض اور ظا کے تلفظ میں فرق بتایا گیا ہے، اور یہ دونوں قصیدے پیرس میں ہیں۔

(۴) نظم فصیح ثعلب و تسہیل حفظ اس کا ایک نسخہ پیرس میں ہے۔

(۵) وسیلۃ الآبق۔ یہ چند رجزوں کا مجموعہ ہے، جس میں ابونعیم کی روایت کے مطابق صحابہ اور تابعین کے نام جمع کیے ہیں، اس کا ایک نسخہ جزائر کے کتب خانہ میں ہے۔

(۶) قصائد فی مدح النبی و مواضیع اخری پیرس میں ہے (الدرر الکامنہ ج ۳)

۱۱- القیراطی المتوفی [illegible]ھ | برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن محمد بن عسکر بن نجم بن شاذلی بن ہلال القیراطی الطائی نے قاہرہ میں اپنے زمانہ کے علماء کی صحبت اختیار کی، اور متعدد مقامات میں درس لیا۔ اور [illegible]ھ میں مکہ میں وفات پائی، اس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مطلع النیرین۔ یہ دیوان نظم و نثر دونوں پر مشتمل ہے، اور اس میں نظم و نثر میں وہ خط و کتابت ہے، جو اس میں اور جمال الدین بن نباتہ میں ہوئی ہے، یہ دیوان ۱۲۹۶ھ میں مصر میں چھپا ہے،

(۲) الوشاح المفصل فی حلق الشباب المھمل یہ دوسرا ادبی مجموعہ ہے، اس کا ایک نسخہ گوٹا میں ہے، اس کے متفرق قصائد برلن اور پیٹرسبرگ میں ہیں۔ (الدرر الکامنہ ج ۱)

۱۲- ابن مکانس المتوفی ۷۹۴ھ | وزیر فخر الدین ابو الفرج عبدالرحمن بن عبدالرزاق، القبطی ممتاز شاعر تھا، اور اس کی تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) دیوان انشا۔ اس کے لڑکے فضل اللہ مجد الدین نے اس کو جمع کیا۔ اور اس کے نسخے برلن، منشن، پیرس، برٹش میوزیم اور کتب خانہ خدیویہ وغیرہ میں ہیں۔

(۲) بہجۃ النفوس الاوانس بمختصر دیوان المجد بن مکانس، عبداللہ الادکاری نے ۱۱۸۲ھ میں اس کا اختصار کیا۔ اور اس کا ایک نسخہ گوٹا میں ہے۔ اس کے دو نسخے لیڈن میں

ایک قصیدہ برلن میں اور دوسرا برٹش میوزیم میں ہے۔

۱۳- ابن حجۃ الحموی المتوفی ۸۳۷ھ — ابوالمحاسن تقی الدین ابوبکر بن علی بن عبداللہ بن حجۃ الحموی القادری ۷۶۷ھ میں حماۃ میں پیدا ہوا، اور ازراری کے لقب سے شہرت پائی، تحصیل علم کے لیے موصل، دمشق اور قاہرہ کا سفر کر کے اپنے وطن کو واپس آیا، پھر مؤید شیخ کے زمانہ میں مصر کا قصد کیا، اور سرکاری عہدے حاصل کیے اور حماۃ میں وفات پائی
اس کی علمی یادگاریں حسب ذیل ہیں۔

(۱) خزانۃ الادب و[illegible]یۃ الارب یا تقدیم ابی بکرؓ یہ قصیدہ بردہ کے طرز اسکے قافیہ اور اس کے وزن پر ایک نعتیہ نظم ہے، یہ بدیع کے تمام انواع پر مشتمل ہے۔ اور اس میں اس نے ان کی اچھی طرح شرح کی ہے، وہ مصر میں متعدد بار یعنی ۱۲۷۳ھ، ۱۲۹۱ھ، ۱۳۰۴ھ میں چھپ چکی ہے۔ اور اس کا ایک قلمی نسخہ ۵۶ بڑے صفحات میں کتب خانہ خدیویہ میں ہے۔

(۲) ثمرات الاوراق۔ محاضرات کی کتاب ہے۔ اور اس میں بہت سے ایسے تاریخی اور ادبی فوائد ہیں، جن کی ضرورت مجلسوں میں ہوتی ہے، اوس کے تتمہ میں مؤلف کا سفرنامہ ہے، جس کا سلسلہ مصر سے شروع ہو کر دمشق میں ختم ہوا، اس نے اس کے ذریعہ سے ان دونوں شہروں کا حال لکھا ہے۔ وہ مصر میں متعدد بار چھپ چکا ہے جن میں ایک بار ۱۳۰۰ھ میں چھپا ہے۔

(۳) تاہیل الغریب ادب میں ہے، اور ثمرات الاوراق کا تتمہ ہے، اور اس کے موضوع کی ترتیب وہی ہے، جو ثمرات الاوراق کی ہے، ۱۳۰۰ھ میں مصر میں ثمرات الاوراق کے ساتھ چھپا ہے۔

(۴) کشف اللثام عن التوریۃ والاستخدام اس میں بدیع کے مختلف اصناف پر بحث ہے اور بیروت میں ۱۳۱۲ھ میں چھپ گئی ہے۔

(۵) قہوۃ الانشاء معاصرین مولف کے سرکاری وغیر سرکاری خطوط کا مجموعہ اور اس دور کے ممتاز لوگوں کے ادب وانشاء کی زندہ تصویر ہے، اور اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ اور اسکوریال میں ہے۔

(۶) الثمرات الشہیۃ فی الفواکہ الحمویہ اس کے اشعار کا مجموعہ ہے، اور برلن، کتب خانہ خدیویہ اور اسکوریال مین موجود ہے۔

(۷) ثبوت الحجۃ علی الموصلی والحلی لابن حجۃ۔ صفی الدین الحلی اور عزالدین الموصلی کے بدیع پر ایک تنقیدی بحث ہے، اور برلن میں موجود ہے۔

(۸) مجری السوابق۔ گھوڑوں کی گھوڑدوڑ کے متعلق چند قصائد کا مجموعہ ہے جن میں بعض قصیدے اس کے اور بعض ابن نباتہ کے ہیں، اور اس کا ایک نسخہ گوٹا میں ہے۔

(۹) [illegible]غرید الصادح۔ برلن میں ہے۔ اور اس کے دوسرے قصائد بڑے بڑے کتب خانوں میں ہیں۔

(باقی)

پچاسی سالہ جشن تعلیمی ندوۃ العلماء لکھنؤ

از محمد نعیم ندوی صدیقی، رفیق دارالمصنفین

ندوۃ العلماء کی تاسیس ۱۸۹۲ء میں ہوئی، اس کا آغاز ایک ہمہ گیر علمی و دینی اور تعلیمی و اصلاحی تحریک کی حیثیت سے ہوا، اور اس نے اپنے بانیوں کے اخلاص و للہیت کے باعث بہت قلیل عرصہ میں نہ صرف پورے ملک بلکہ بیرون ملک کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کر لی۔ ۱۸۹۳ء میں بمقام کانپور ندوۃ العلماء کا پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا، اور اس کے بعد پھر ہر سال مختلف مقامات پر اس کے جلسے بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوتے رہے، لیکن بعض وجوہ سے یہ مفید سلسلہ صرف ۳۴ سال تک جاری رہ سکا۔ اس کا آخری اجلاس نومبر ۱۹۲۶ء کو امرتسر میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر تقریباً نصف صدی تک مختلف اسباب کی بنا پر اس کا کوئی اجلاس نہیں ہو سکا تھا۔ اس طویل مدت میں ندوۃ العلماء کی مقبولیت، شہرت اور عظمت کے غلغلہ سے عالم اسلام ہی نہیں پوری دنیا گونج اٹھی ہے، اسلئے وقت کا اہم تقاضا تھا کہ اس کی تاسیس کا پچاسی سالہ جشن منعقد کیا جائے۔ چنانچہ کارکنان ندوۃ العلماء نے دو سال قبل ایک بین الاقوامی اجتماع "جشن تعلیمی" کے نام سے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس میں ندوہ کی تعلیمی اسکیم کا تعارف نیز جدید تعلیمی مسائل پر تبادلہ خیال اور باہم مفید نظریات سے استفادہ کا موقع مل سکے۔ اور ہندوستان کے معدن بے بہا میں

جن اہل علم اور اصحاب دعوت و عزیمت نے جو اصلاحی و علمی کارنامے انجام دیئے۔ اور یہاں کے عربی مدارس اور دینی اداروں نے مغربیت کے سیل رواں کا جسطرح جم کر مقابلہ کیا اسکی صحیح تصویر ممالک عربیہ اسلامیہ اور دوسرے ملکوں کے مندوبین کے سامنے آجائے۔

اس جشن تعلیمی کی تیاریوں میں ہماہمی اور جوش و خروش اس وقت پیدا ہوا جب آخری طور پر ۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ء کی تاریخیں اس کے لیے طے کر دی گئیں، چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق گذشتہ دنوں یہ اجلاس منعقد ہوا۔ جو نہ صرف نظم و شائستگی اور ظاہری و صوری محاسن بلکہ اپنی افادیت و معنویت میں بھی دیرینہ اعلیٰ روایات کا کامل نمونہ تھا، اس کو بلاشبہ ہر حیثیت سے ایک تاریخی اور یادگاری اجلاس کہا جا سکتا ہے۔ یوں تو اس مہرجان کو کامیاب بنانے اور اس کی شایان شان تیاریوں میں تمام کارکنان ندوۃ العلماء نے مشنری اسپرٹ کے ساتھ شب و روز محنت و جدوجہد کی ہے، لیکن اس کی کامیابی کا اصل مرجع و منبع مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ذات گرامی ہے، یہ محض ان کے اخلاص، حسن نیت اور بے لوثی کا ثمرہ تھا، کہ ان کی دعوت پر پورے عالم اسلام کے بہترین دماغ اور ممتاز اہل فکر و دانشور اتنی کثیر تعداد میں مجتمع ہو گئے، کم از کم ہندوستان کی تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی مل سکے کہ کسی موقع پر بیک وقت اس قدر بلند مرتبہ اور اعلیٰ پایے کے ۶۷ غیر ملکی مہمان کسی شخصی دعوت پر یکجا ہو گئے ہوں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے کرسی صدارت کو زینت دے کر اس اجلاس کے وزن اور وقار میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے، ہندوستان کے جن علماء و فضلاء، ادباء و شعراء، اور اہل ذل و اعیان قوم نے اس جشن میں شرکت کی ان کی تعداد تو حد شمار سے باہر ہے، صرف غیر ملکی مندوبین کی فہرست بھی بہت طویل ہے (جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے،) ذیل میں صرف

شرکائے اجلاس ممالک اور ان کے نمائندوں کی تعداد کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مصر۔ (۶) سعودی عرب (۳) دراصل یہاں سے کئی وفود آئے تھے، سرکاری وفد میں نو، مدینہ یونیورسٹی کے وفد میں ۳ اور ملک عبد العزیز یونیورسٹی کے وفد میں ۳ ارکان تھے، اس کے علاوہ مدرسہ صولتیہ مکہ سے تین، دار الافتاء ریاض سے تین اور رابطہ عالم اسلامی مکہ سے دو نمائندوں پر مشتمل وفود آئے تھے (متحدہ عرب امارات (۹) قطر (۲) کویت (۷)، شام (۵)، عراق، (۳) ایران (۱) اردن (۲) بحرین (۲) الجیریا (۱) روس (۱) یوگنڈا (۲) نیپال (۱) تھائی لینڈ (۱) جاپان (۱)

مذکورہ بالا تمام غیر ملکی مندوبین کی اکثریت ۳۰ اکتوبر ہی کو لکھنؤ پہونچ چکی تھی جن کے قیام کا حسب امکان شایان شان انتظام اودھ کلارک اور گلمرگ ہوٹلوں میں کیا گیا تھا۔ پروگرام کے مطابق ۳۱ اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے نو بجے افتتاحی اجلاس کا آغاز ہو گیا۔ شروع سے آخر تک اس جشن کے اسٹیج سکریٹری کے فرائض مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے انجام دیئے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ موصوف بہت ہی حسن وخوبی سے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے۔ وسیع وعریض اور خوبصورت ڈائس پر عرب مہمانوں کی قطاریں بڑا دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔ عرب ملکوں کے نمائندے عام طور پر عربی لباس یعنی سفید توب سر پر رومال اور اس پر سیاہ عقال میں ملبوس تھے۔ قاری ودود الحق ندوی کی تلاوت قرآن پاک سے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی، اس کے بعد طلبہ نے ندوہ کا ترانہ پیش کیا۔ جس کا ہر بند ندوۃ العلماء کے بلند عزائم ومقاصد اور اعلیٰ نصب العین کا آئینہ دار ہے۔

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم ہیرے درخشان صبح وطن
ہم تابش دیں، ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

پھر صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد، صدر جمہوریہ مصر انور السادات، فرمانروائے سعودی عرب شاہ خالد بن عبد العزیز اور وزیر اعلیٰ اتر پردیش مسٹر ہیموتی نندن بہوگنا کے وہ پیغامات سنائے گئے۔ جو اس خاص موقع کے لیے ارسال کئے گئے تھے، پیغامات کا اصل متن اور اس کا عربی ترجمہ دونوں پڑھے گئے۔ اس کے بعد مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا خطبۂ استقبالیہ پڑھا گیا۔ جو عربی میں تھا۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد عمران خان ندوی نے سنایا، (یہ دونوں مطبوعہ تھے، جلسہ گاہ میں بھی اس کی کاپیاں تقسیم کی گئیں، اور اردو ترجمہ تعمیر حیات میں بھی پہلے طبع ہو چکا ہے) اس میں حضرت مولانا مدظلہ نے مہمانان کرام اور شرکائے اجلاس کا لکھنؤ کی سرزمین پر پُرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے بڑی جامعیت اور توازن واعتدال کے ساتھ ہندوستان میں اسلام کی آمد اور مختلف ابتلاء وآزمائش کے ادوار سے گذرتے ہوئے اس کے عروج وارتقا کی داستان بیان کی، ہندوستان کے علماء اور دینی مدارس نے جو مختلف روشن خدمات اور کارنامے اس سرزمین میں انجام دیئے ان کا بھی بڑے موثر انداز میں ذکر کیا تھا، یہ خطبہ عربی اور اردو دونوں میں نہایت سکون سے سنا اور پسند کیا گیا۔ اس کے بعد شیخ الازہر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود نے اپنا خطبۂ صدارت خود پڑھا جس میں انھوں نے سب سے پہلے ندوۃ العلماء کی مختلف میدانوں میں قابل تحسین وآفریں مساعی وجد وجہد اور خدمات وکارناموں کا اعتراف کیا جو اس نے ۸۵ سال کی طویل مدت میں انجام دیئے ہیں، پھر عرب وہند کے تعلقات کے آغاز پر روشنی ڈالی، اور اس سلسلہ میں البیرونی اور اس کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے، کہا کہ "بیرونی کی کتابوں کے ہی ذریعہ صدیوں پہلے عالم عرب کے تعلیم یافتہ طبقہ کو ہندوستان سے تعارف حاصل ہوا" اس کے بعد

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کے نمایاں رول کو بڑے موثر انداز اور شاندار الفاظ میں واضح کیا۔ اور حب وطن اور جادۂ حق وصواب پر ثبات قدمی کو اسلام کا بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ ہمیشہ اس راہ اور اس اصول پر قائم رہیں۔ اس کے علاوہ شیخ موصوف نے عربی زبان کی اہمیت، تہذیب کے تقاضوں اور صاف ستھرے معاشرہ (یعنی اسلامی طرز معاشرت) پر بڑی جامعیت سے روشنی ڈالی۔ آخر میں ہند ومصر کے درمیان گہرے اور قدیم روابط کا بھی ذکر کیا۔ بلاشبہ امام الاکبر کے صدارتی خطبہ کا ہر لفظ اخوت اسلامی اور وحدت ایمانی کا آئینہ دار اور ہر حیثیت سے ان کے اعلیٰ مرتبہ ومقام کے شایان شان تھا۔

عربوں کو خدا نے قدرت زبان اور اظہار وابلاغ کی جس غیر معمولی قوت سے نوازا ہے یہ خطبہ اس کا شاہکار تھا، باوجودیکہ سامعین کی اکثریت عربی زبان سے قطعی ناواقف تھی لیکن جب تک خطبۂ صدارت پڑھا جاتا رہا اور مجمع پرسکون ہو کر گوش بر آواز رہا اس سکون ووقار اور غیر معمولی نظم وضبط کی مثال ایسے مواقع پر شاذ ونادر ہی مل سکتی ہے جس کا اعتراف مولانا علی میاں نے افتتاحی اجلاس کے آخر میں اپنی تقریر میں بھی کیا۔ عربی خطبۂ صدارت کا اردو ترجمہ استاذی مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی (مدیر البعث الاسلامی) نے سنایا۔ جو سلاست وشگفتگی اور حسن ادب وانشاء میں اصل خطبہ کا ثانی تھا۔ اسی اجلاس میں شیخ الازہر نے جامعہ ازہر کی جانب سے قرآن مجید کا ایک بیش قیمت نسخہ اور کتابوں کا ایک مجموعہ بطور ہدیہ ندوہ کو دیا۔ اس کارروائی کے بعد افتتاحی اجلاس ختم ہوگیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اس لئے خاتمہ اجلاس کے کچھ ہی دیر بعد شیخ الازہر کی امامت میں ہزاروں کے مجمع نے نماز جمعہ ادا کی۔

اسی دن سہ پہر کو مصر کے وزیر اوقاف وامور ازہر ڈاکٹر حسین ذہبی نے ایک علمی وثقافتی نمائش کا افتتاح کیا۔ جو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں خاص اس مہرجان کے لیے ترتیب دی گئی تھی، یوں تو اس جشن کا ہر ہر پروگرام افادیت ومعنویت سے بھرپور اور اپنی جگہ جاذب نظر تھا، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کی علمی وثقافتی نمائش ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی بالکل منفرد چیز تھی۔ اس نمائش کا خاکہ جناب مولوی اسحاق جلیس ندوی (مدیر تعمیر حیات) نے تیار کیا تھا۔ اور موصوف نے اس کی تیاری کے سلسلہ میں جس طرح شب وروز تگ ودو کی، وہ قابل رشک بھی ہے اور لائق صد آفرین بھی۔ ان کی اور ان کے معاونین کی اس محنت اور جانکاہی کا نتیجہ ہے کہ یہ نمائش اس جشن کا ایک اہم ترین اور پرکشش حصہ بن گئی تھی۔

اس نمائش کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون کے ارتقاء کی ایک بہت روشن اور جگمگاتی ہوئی تصویر نظر کے سامنے آجاتی تھی۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری سے لے کر عصر حاضر تک کے ممتاز باکمال مفسرین، محدثین، فقہاء، مورخین اور فلاسفہ وغیرہ کے نام، سنہ وفات اور ان کی مشہور تصانیف کے بڑے بڑے چارٹ اور نقشے ڈسپلے بورڈوں پر حسن سلیقہ سے آویزاں کئے گئے تھے، ہندوستانی علماء وفضلاء نے اصول حدیث وفقہ، فن اسماء الرجال، عربی زبان ولغت، عقائد وکلام، حکمت وفلسفہ، ریاضیات، ہیئت وہندسہ، علوم قرآن، صرف ونحو، تجوید وقراءت اور علم اخلاق وغیرہ علوم پر جو تصنیفی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ ان چارٹوں میں پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح "عباقرۃ الاسلام فی الہند" کے عنوان سے شعراء وسلاطین وادباء اور علماء ومشائخ کی

فہرستیں بھی متعدد چارٹوں میں درج تھیں۔ ہندوستان میں اپنے موضوع پر جو
کتابیں منفرد سمجھی جاتی ہیں اُن کا ذکر بھی ایک مستقل چارٹ میں کیا گیا تھا کتب خانہ
ندوۃ العلماء کے جس مشرقی حصہ میں ان خوبصورت و دیدہ زیب چارٹوں کے وسیع
و عریض مگر سبک و حسین ڈسپلے بورڈ قرینے سے سجائے گئے تھے۔ وہ ذوق شناسان
علم کی توجہ کا خصوصی مرکز تھا۔ خود راقم سطور نے ملک کے نامور اہل علم وفضل کو اس
گوشہ میں محویت کے عالم میں پایا۔ بعض لوگ تو پورا پورا چارٹ نقل کرتے بھی دیکھے گئے۔
واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی ارباب فضل وکمال نے اسلامی علوم وفنون کی ہر شاخ کو جس طرح
ثمر بار کیا ہے۔ اس نمائش سے اندازہ ہوا کہ شاید کسی دوسرے خطۂ ارض میں اس کی
مثال کم ہی مل سکے گی۔ چنانچہ ایک چارٹ ایسا بھی نظر آیا جس میں ہندوستان کے
ان باکمالوں کی فہرست درج تھی۔ جن کی نظیر دوسرے ممالک میں مفقود ہے۔

کچھ ڈسپلے بورڈوں پر تحریک ندوۃ العلماء کی تاسیس اور اس کے اغراض ومقاصد
کو اکابر ندوہ کے اقوال کی روشنی میں نمایاں کیا گیا تھا۔ چنانچہ جن اصحاب فکر ونظر
کے قیمتی ارشادات پیش کئے گئے تھے، اُن میں حاجی امداد اللہؒ، علامہ شبلی نعمانی، مولانا
محمد علی مونگیریؒ۔ مولانا حالی، مولانا ابوالکلام آزاد، سر سید، نواب محسن الملک،
مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا عبدالماجد دریابادی
اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ایک بڑے چارٹ
میں ندوۃ العلماء کی تاریخ ساز اجلاسوں کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا تھا اور
اس کے ساتھ ہی لکھنؤ، مدراس، پونا اور ناگپور کے قدیم اجلاسوں کے اشتہارات،
دعوت نامے اور شناختی کارڈ آویزاں کر کے قصۂ پارینہ کی بازخوانی سے سپنے کی

داغ تازہ کئے گئے تھے، ان کو دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ آج سے نصف صدی سے بھی زائد
پہلے کتنے ترقی یافتہ طرز پر اجلاس کا کام ہوتا تھا، اس زمانہ میں مندوبین کو شناختی
کارڈ جاری کئے جاتے تھے۔ اس کے مختلف مراتب تھے، مثلاً سامع، رکن، عالم اعزازی
طالب علم اور معاون وغیرہ۔ (جیسا کہ حالیہ اجلاس کے موقع پر مندوبین، استقبالیہ اور
معاونین تین قسم کے بیج دئے گئے تھے۔) اس ڈسپلے بورڈ کے پاس پہونچکر ہر شخص
تھوڑی دیر کے لیے عہد رفتہ میں پہونچ جاتا جب تحریک ندوۃ العلماء کے آغاز نے
ہندوستان کے پرسکون سمندر میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ اور علمی وتعلیمی حلقے اسکی
ضرب کلیم سے چونک اٹھے تھے۔ ایک علیحدہ ڈسپلے بورڈ پر فرزندان ندوہ کے تصنیفی
کارنامے اجاگر کیے گئے تھے، جن ممتاز ندوی اہل قلم نے مختلف علمی وادبی موضوعات پر
اپنی تصنیفات کا قابل ذکر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، اُن کے ناموں اور کارناموں کے
مستقل چارٹ آویزاں تھے، ان میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی
مولانا ریاست علی ندوی، شاہ معین الدین ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، رئیس احمد
جعفری، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد حنیف ندوی کے نام شامل تھے۔
اس کے قریب ہی ایک اور بڑے سے نمائشی بورڈ پر سو سے زائد ممتاز ومعروف
ندوی اصحاب قلم کے ناموں کا چارٹ آویزاں تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فضلائے
ندوہ علم وادب کے میدان میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

ہر نمائشی بورڈ اور چارٹ کے سامنے ایک میز پر وہ تمام کتابیں سلیقے سے سجائی
گئی تھیں جن کا ذکر اسکے اوپر آویزاں نقشہ میں تھا،.... کتب خانہ ندوۃ العلماء میں علوم
اسلامیہ ہند کی اس جوئے شیر کو رواں دیکھکر ہر شخص بے حد متاثر ہوا۔ ایک میز پر

طلسمۂ دارالعلوم کے قلمی آرگن "الاصلاح" کی پرانی جلدیں اور ان کے عربی زبان میں لکھے ہوئے سندی مقالات بھی کثرت سے رکھے گئے تھے۔ ایک شوکیس میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا مونگیری۔ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور حکیم سید عبدالحئی کے اور بجس مکاتیب بھی تھے، اسی طرح ایک دوسرے شوکیس میں مشاہیر کی مطبوعہ کتابوں کے اصل مسودات بھی رکھے گئے تھے جن میں علامہ شبلی کی سوانح مولانا روم" مولانا عبدالسلام ندوی کی تاریخ تمدن اسلامی، مولانا ریاست علی ندوی کی تاریخ صقلیہ اور شاہ معین الدین ندوی کی حیات سلیمان کے قلمی مسودے ..... تھے جن سے ان فضلاء کے شان خط اور طرز تحریر کا اندازہ ہوتا تھا۔

کتب خانہ کے مرکزی ہال میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مستقبل کا ہمہ گیر منصوبہ ایک بہت وسیع و عریض بورڈ پر نقشہ کی شکل میں بنا ہوا تھا۔ جو خوبصورت و دل آویز بھی تھا اور ندوہ کے مستقبل کا آئینہ دار بھی اور ساتھ ہی فن کار کی مہارت اور آرٹ کا عمدہ نمونہ بھی۔ اس کو لکھنؤ کے گورنمنٹ آرٹس کالج کے ڈی ایل ساہ نے بنایا تھا۔ ہال کے درمیان میں متعدد شوکیسوں میں کتب خانۂ ندوۃ العلماء کے نادر و کمیاب مخطوطات کو سجایا گیا تھا اس کتب خانہ میں مطبوعات کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اور مخطوطات بھی تین ہزار کے قریب ہیں۔ ان میں بعض کتابوں کے قلمی نسخے مختلف حیثیتوں سے کمیاب بلکہ نادر الوجود ہیں، بعض مخطوطات اپنے طلائی نقش و نگار اور رنگا رنگ آرٹ کے باعث قابل دید ہیں۔ مثلاً تفسیر میں امام نور الدین عبدالرحمٰن بن عمر الحنبلی (المتوفی ۶۲۴ھ) کی تالیف منتہی العلوم فی تفسیر کتاب اللہ الحی القیوم" نہ صرف ابھی تک غیر مطبوعہ بلکہ نادر کتاب ہے، اس کی کتابت مؤلف کی زندگی ہی میں ہوئی تھی۔ اور کثرت سے علماء نے اسی نسخہ میں

مؤلف سے پڑھا تھا، جن کے نام آخر کتاب میں مندرج ہیں، اس کے کاتب کا نام محمد بن یحیی المقری ہے۔ سنہ کتابت ۸۰۶ھ درج ہے۔

اسی طرح کتاب الایضاح شرح التلخیص المفتاح مؤلفہ علامہ جلال الدین قزوینی (المتوفی ۷۳۹ھ) کا خطی نسخہ بہت نادر اور قدیم ہے، ۷۴۲ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے، ان کے علاوہ نمائش کے لئے رکھے گئے مخطوطات میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

(۱) راگ درپن مؤلفہ سیف الدین محمود، علم موسیقی میں نادر کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد مغلیہ میں موسیقی کا فن کتنا ترقی یافتہ تھا (۲) شاہنامۂ فردوسی، اس مشہور کتاب کے متعدد خطی نسخے کتب خانۂ ندوۃ العلماء میں ہیں، سب میں خوبصورت رنگوں اور مطلا جدول سے مزین تصاویر کثرت سے شامل ہیں۔ (۳) شرح شرح نخبۃ الفکر مؤلفہ شیخ وجیہ الدین العلوی الگجراتی (المتوفی ۹۹۸ھ) اس پر ایک مہر ثبت ہے جس پر "یا محمود ۱۱۳۹ھ" کندہ ہے، ابھی تک کہیں طبع نہیں ہوئی ہے۔ سن کتابت ۱۱۳۹ھ (۴) تذکرۃ الشعراء مصحفی اس حیثیت سے یہ ایک نادر مخطوطہ ہے کہ اس کے بیشتر اجزاء خود مصحفی کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں، سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ ہے۔ (۵) دیوان آزاد بلگرامی۔ میر آزاد اور مآثر الکرام کے مصنف آزاد بلگرامی کا ایک مجموعۂ کلام سبعۂ سیارہ کے نام سے عام طور پر معروف ہے۔ پیش نظر دیوان اس کے علاوہ ہے یہ ابھی تک شرمندۂ طباعت نہیں ہو سکا ہے، جہاں تک علم ہے کسی دوسرے کتب خانے میں اس کے مکمل مخطوطے کا وجود نہیں ہے، (۶) دیوان شاہ ولی اللہ دہلوی۔ اس کو شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے مرتب کیا ہے، بہت نادر مطبوعہ نسخہ ہے، اس سے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے لکھے ہوئے

ذوق شعر و سخن کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے کاتب کا نام اسحاق بن محمد رائے بریلوی ہے۔ جو شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے تلمیذ رشید تھے۔ (اس دیوان کی اصلیت کے بارے میں بعض محققین شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں) (۷) عجائب المخلوقات مولفہ عماد الدین زکریا القزوینی (المتوفی ۶۸۲ھ) اصل کتاب عربی میں تھی ۹۵۴ھ میں فارسی میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ اسی ترجمہ کا خطی نسخہ ہے۔ پوری کتاب مصور ہے اس میں عجیب و غریب مخلوقات جن میں سے بعض کا وجود بھی نہیں ہے۔ رنگین تصویروں کے ذریعہ متعارف کرائی گئی ہیں۔ (۸) قرآن مجید اس نمائش میں کلام پاک کے متعدد خوبصورت مطلا اور مذہب قلمی نسخے رکھے گئے تھے ان میں سے ہر ایک دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ لیکن ایک قرآن خصوصیت کے ساتھ قابل دید تھا اس کا سائز ۱۸ × ۲۴ ہے اور خط بحار میں لکھا گیا ہے۔ ماہرین مخطوطات کی رائے ہے کہ اس قرآن کا طرز کتابت خط کوفی کے بعد اندلس کے اسلامی دور حکومت میں رائج تھا۔ جس کو تقریباً پانچ سو سال کا عرصہ گذر گیا یہ نسخہ تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے پرنسپل حکیم ضیاء الدین صاحب نے ندوہ کو ہدیۃً عنایت کیا ہے۔ (۹) ترجمہ مہابھارت اصل کتاب سنسکرت میں ہے۔ ابو الفیض فیضی نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا ہے یہ خطی نسخہ شاہ اکبر گورگانی نے گرو نانک جی کو ہدیہ کیا تھا۔ اس کے سرورق پر شاہ عالم کے نام کی ایک مہر بھی ثبت ہے۔ منشی منون لال نے ۱۲۰۳ھ میں اس کی کتابت کی تھی۔ (۱۰) نفحات الانس۔ اس مخطوطہ کی ندرت یہ ہے کہ اس پر بہت سے سلاطین کی مہریں اور شاہ عالم نیز زیب النساء کے دستخط ثبت ہیں۔ (۱۱) تکملہ فتح العزیز یعنی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی مشہور تفسیر فتح العزیز کا تکملہ جو مولانا حیدر علی اشرف آبادی

والیۂ بھوپال سکندر جہاں بیگم کے ایما پر لکھا ہے۔ صفحہ اول پر "محمد جمال الدین مدار المہام ۱۲۶۰ھ" کی مہر ثبت ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ اور نایاب ہے۔ (۱۲) مواہب علیہ ملا حسین واعظ کاشفی۔ مکتوبہ ۱۰۱۰ھ حسن کتابت اور تزئین و آرائش کا عمدہ نمونہ ہے پہلے صفحہ پر "خواجہ عزیز اللہ خان" کی مہر ثبت ہے۔ (۱۳) مسند عبد بن حمید اس کے مولف شیخ ابو محمد عبد بن حمید الکشی (المتوفی ۲۴۹ھ) امام بخاری و مسلم کے کبار تلامذہ میں تھے، یہ مخطوطہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب غایۃ المقصود کے نسخہ کی نقل ہے، فتح محمد النظامانی نے ۱۳۱۰ھ میں اس کی کتابت کی ہے یہ ایک نادر اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، (۱۴) انوار التنزیل و اسرار التاویل مولفہ قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی (المتوفی ۶۸۵ھ) کتابت و آرٹ کا بہترین نمونہ ہے (۱۵) نیل الاوطار عن اسرار منتقی الاخبار تالیف علامہ بدر الدین شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) یہ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب منتقی الاخبار کی شرح ہے۔ اس خطی نسخہ پر کتاب کا نام خود مؤلف کے قلم سے لکھا ہوا ہے، اس سے شیخ ہادی حسن بن حسین اور بعض دوسرے علماء نے پڑھا ہے، آغاز میں "محمد جمال الدین مدار المہام" کی مہر ثبت ہے۔

اسی دن شام کو بعد نماز مغرب دوسرے اجلاس کا آغاز ہوا، تلاوت کلام پاک کے بعد پہلے مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی (معتمد دار العلوم ندوۃ العلماء) نے ندوہ کے پچاسی سالہ کارناموں کی رپورٹ پیش کی (۲۰ صفحات پر مشتمل یہ رپورٹ بروقت جلسہ گاہ میں تقسیم بھی کر دی گئی تھی) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ اس میں ندوۃ العلماء کے ماضی کی مختصر سرگذشت کے ساتھ حال کا جائزہ اور مستقبل کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ موصوف نے اپنے مخصوص شگفتہ اور دلکش اسلوب

نگارش میں ندوہ کی تاریخ اور تعلیمی و اصلاحی میدانوں میں اس کے کارہائے نمایاں
کی تفصیل، اکابر ندوہ کی خدمات، اور آئندہ اس کے عزائم و مشروعات کا بھرپور جائزہ
اس رپورٹ میں پیش کیا تھا۔ وقت کی تنگی کے باعث اس کو بتمام وکمال پڑھا نہ جا سکا
بلکہ اس کے صرف اہم اور ضروری اقتباسات سنائے گئے۔

اس کے بعد حسب پروگرام حاضرین اجلاس سے غیر ملکی معزز مہمانوں کا تعارف
کرایا گیا۔ وقت کی تنگی ...... کے باعث صرف اہم مہمانوں ہی کا تعارف ہو سکا،
عرب وفود کے سربراہوں نے اپنی چند منٹ کی مختصر تقریروں میں اس جشن تعلیمی میں
اپنی شرکت کو مایۂ صد افتخار و سعادت قرار دیتے ہوئے۔ ندوۃ العلماء اور مولانا سید
ابوالحسن علی ندوی سے اپنے ملکوں کے گہرے تعلق کا اظہار کیا۔ اور یہ بھی ذکر کیا کہ عالم
اسلام کا چپہ چپہ ان دو لازم و ملزوم ناموں سے نہ صرف واقف بلکہ ان کا صحیح قدر شناس
ہے، اس اجلاس میں کویت کی وزارت اوقاف و انصاف کی جانب سے ندوہ کو
ایک قرآن مجید اور کتابوں کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ اسی طرح مصر کی جانب سے بھی کتابوں کا
عطیہ دیا گیا۔

اسی دن شب میں اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ بہوگنا جی نے اپنی رہائش گاہ پر اس
مہرجان میں شرکت کرنے والے ملکی اور غیر ملکی مندوبین کو ایک پرتکلف عشائیہ دیا۔

یکم نومبر کی صبح اس مہرجان کا تیسرا اجلاس ٹھیک وقت پر حسب سابق تلاوت
کلام پاک سے شروع ہوا۔ نظام العمل کے مطابق یہ اجلاس تعلیمی مسائل پر مذاکرہ
کے لیے مخصوص تھا، جس میں بیرون و اندرون ملک کے اہل فکر و دانش کو نظام تعلیم
و تربیت، علوم اسلامیہ اور دینی تعلیم کے مستقبل اور ماضی و حال کی روشنی میں نصاب

تعلیم میں تغیر و ترمیم اور توسیع کی ضرورت پر اظہار خیال کرنا تھا۔ چنانچہ اس اجلاس میں
جن شخصیتوں نے تعلیمی مسائل پر اظہار خیال کیا ان میں کچھ اہم نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۲۔ شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مصر

۳۔ پروفیسر علی محمد خسرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔

۴۔ ڈاکٹر حسین ذہبی وزیر اوقاف مصر۔

۵۔ پروفیسر شرف الدین میر محمود نمائندہ اعلیٰ دینی کونسل تاشقند۔

اول الذکر دونوں مقالے عربی میں تھے، تاہم سکون اور دلچسپی سے سنے گئے۔
شیخ ازہر کا مقالہ اپنی معنویت اور فصاحت زبان و بیان میں ان کے خطبۂ صدارت
ہی کا ہم پایہ تھا۔ پروفیسر خسرو صاحب کو "مدارس اسلامیہ میں صنعتی تعلیم کی ضرورت"
کے موضوع پر مقالہ پڑھنا تھا۔ اور غالباً وہ اپنا مقالہ ساتھ لائے بھی تھے، لیکن اسکو پیش
کرنے کے بجائے انھوں نے اس موضوع پر تقریر کرنا پسند کیا۔ اور نہایت مؤثر و دلنشین
الفاظ اور مسحور کن انداز بیان کے ساتھ اس سلسلہ میں اپنے ذاتی خیالات و آراء کا
اظہار کیا۔ موصوف کی رائے تھی کہ اب دنیا کے حالات جس برق رفتاری سے بدل
رہے ہیں علمائے کرام کے لیے ان سے واقفیت اشد ضروری ہے۔ اب ان کو مذہبی
اور جدید تعلیمات کا خوشگوار امتزاج پیش کرنا چاہیے۔ پوری دنیا میں ہونے والی
زبردست تبدیلی کے ضمن میں شتر مرغ جیسا رویہ اپنانا دانشمندی کے خلاف ہے
اب وقت آگیا ہے کہ علماء پر دنیا اور دنیا والوں پر دین کے دروازے کھلنے چاہئیں
جس طرح قدیم زمانہ میں مساجد کے ساتھ دینی مکاتب منسلک رہے ہیں اسی طرح

اب صنعتی اداروں کو بھی ان سے وابستہ کیا جانا چاہیے۔ پروفیسر خسرو نے خیال ظاہر کیا کہ مدارس اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کا انتظام کیا جانا چاہیے تاکہ وہ تعلیم سے فراغت کے بعد کارگاہ حیات میں قدم رکھیں تو معاش کی طرف سے بے فکر ہوں۔ اس سلسلہ میں موصوف نے یہ تجویز بھی رکھی کہ عربی و اسلامی مدارس میں ایسے ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ قائم کئے جائیں جن میں بجلی، گھڑی سازی، ریڈیو میکینک اور جوتا سازی وغیرہ کی تربیت دی جائے۔ پروفیسر خسرو کی یہ فکر انگیز تقریر ختم ہونے پر مولانا علی میاں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے خیالات و تجاویز پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اور موصوف کے پُرخلوص جذبات و احساسات کو قابل قدر قرار دیتے ہوئے ان کی تعریف کی نیز یہ بھی کہا کہ پروفیسر خسرو نے ہم کو دراصل جھنجھوڑ دیا ہے۔

روسی نمایندے میر شرف الدین محمود نے جب اچانک اردو میں لکھا ہوا اپنا مقالہ اپنے مخصوص لب و لہجہ میں پڑھنا شروع کیا تو اس خلاف توقع بات پر سامعین میں ایک عجیب لہر سی دوڑ گئی۔ میر شرف الدین محمود نے روس میں مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کیا کہ وہاں کے مسلمان ندوۃ العلماء اور اس کے رسالہ البعث الاسلامی کے بڑے قدردان ہیں اور دینی تعلیمی اسکیموں میں اسی کو خضر راہ بناتے ہیں۔

اسی دن عصر کی نماز کے بعد غیر ملکی معزز مندوبین کے اعزاز میں طلبہ ندوۃ العلماء کی یونین انجمن جمعیۃ الاصلاح کی جانب سے ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ جمعیۃ الاصلاح اور النادی العربی نے طلبہ کی ادبی، ثقافتی علمی اور تقریری مشق و تربیت کے میدان میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں ذمہ دار طلبہ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کا اجمالی تعارف کراتے ہوئے مہمانان کرام کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ ایک عرب نمایندے نے

چند منٹ میں طلبہ کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کو سراہا۔ اور اس خیر مقدم کے لیے صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا۔

یکم نومبر ہی کو بعد نماز مغرب مہرجان کے چوتھے اجلاس کی کارروائی حسب معمول تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ صبح کی نشست میں ممالک اسلامیہ کے نظام تعلیم اور نصاب درس پر جو مذاکرہ (سیمینار) نامکمل رہ گیا تھا۔ شام کے اجلاس میں اسکے بقیہ حصہ کی کارروائی پوری کی گئی۔ اس میں جن ماہرین تعلیم اور اہل فکر نے اظہار خیال کیا ان میں کچھ اہم شخصیتیں یہ تھیں۔

۱۔ پروفیسر مسعود حسین خان وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔
۲۔ پروفیسر تیسیر انظبیان صدر رابطہ علوم اسلامیہ اردن۔
۳۔ شیخ محمد علوی المالکی لکچرار ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ
۴۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی پرنسپل ٹریننگ کالج قطر
۵۔ ڈاکٹر عباس المہاجرانی چیف اڈیٹر، ماہنامہ "الفکر الاسلامی" ایران
۶۔ شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک رئیس القضاء الشرعی ابوظبی

پروفیسر مسعود حسین خاں نے اپنی تقریر کا آغاز ہی ڈاکٹر علی محمد خسرو کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے کیا۔ موصوف کے خیال میں عربی مدارس میں صنعتی تعلیم کو داخل کر دینے سے ان کے قیام کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ انھوں نے فرمایا یہ درست ہے کہ دارالعلوم کے مقاصد کو پیش نظر رکھکر اس کے نصابی ڈھانچہ میں مناسب تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ تاکہ اس سے فارغ ہونے والے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہوئے بغیر عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ لیکن جہاں تک ان مدارس میں ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کے قیام کا معاملہ ہے اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ پروفیسر موصوف نے اسی تقریر میں

ادب کے بارے میں جدید تنقیدی شعور پیدا کرنے پر زور دیتے ہوئے نئے نئے افق کی تلاش اور توسیع کی سمت پیش قدمی کرنے کی اہمیت ظاہر کی۔ عربی مدارس میں بعض نئے اقدامات کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کی سخت ضرورت ہے کہ طلبہ کو تغیر پذیر عرب بالخصوص شرق اوسط کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معاشرتی، سیاسی اور لسانی معلومات سے واقف کرایا جائے۔

اس خیال انگیز اور پر مغز تقریر کے ختم ہونے پر مولانا علی میاں نے فرمایا کہ عربی مدارس میں صنعتی تعلیم کا معاملہ واقعتہً آسان نہیں ہے، یہ بڑا اچھا ہوا کہ آج ہی دو موقر یونیورسٹیوں کے فاضل سربراہوں کے باہم مختلف نقطہ نظر سامنے آگئے، اور بلاشبہ دونوں ہی نظریے قابل غور و فکر ہیں، انشاء اللہ وقت پر ان دونوں سے پورا استفادہ کیا جائے گا۔ جہاں تک طلبہ دار العلوم کی عالم عرب سے واقفیت کا معاملہ ہے اس کا پورا مسالہ بحمد اللہ ہمارے یہاں موجود ہے اور طلبہ اس سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔

آج کے اس اجلاس کی ایک اہم تقریر قطر کے مشہور ادیب و مصنف اور جادو بیان مقرر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تھی، جو عربوں کی ضرب المثل خطابت و زبان آوری کا بہترین مرقع اور مقرر کے علم و فضل اور وقار و متانت پر شاید عدل تھی، فصاحت و بلاغت اور زور بیان کا ایک مواج سمندر تھا جس نے حاضرین اجلاس کو مبہوت کر دیا تھا، پروفیسر قرضاوی نے ندوۃ العلماء اور مولانا علی میاں سے اپنی واقفیت کے آغاز کی داستان بیان کرتے ہوئے اس جشن میں اپنی شرکت پر فخر و مسرت کا اظہار کیا، انھوں نے کہا کہ ایک عرصہ تک ہم لوگ "ذو ندوی" کو خاندانی نسبت سمجھتے رہے، پھر حضرت مولانا علی میاں سے تعارف حاصل ہونے کے بعد حقیقت حال واضح ہوئی کہ یہ دراصل ہندوستان کی ایک درسگاہ ندوۃ العلماء کی طرف نسبت ہے،

جس کی شہرت اور مقبولیت سے آج سارا عالم عرب گونج رہا ہے، موصوف نے مزید کہا کہ ندوی فضلاء کو ہم بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جب حضرت مولانا علی میاں عرب ممالک کو اپنے قدوم سے سرفراز کرتے ہیں تو ہم ان کو دنیائے عرب کے لیے ہندوستان کا ایک قیمتی تحفہ تصور کرتے ہیں۔ پروفیسر قرضاوی کی اس خیال انگیز اور ادبی حیثیت سے بلند پایہ تقریر کا خلاصہ اردو زبان میں ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی نے بیان کیا۔

متحدہ عرب امارات کی سپریم کورٹ کے رئیس القضاء الشرعی (چیف جسٹس) شیخ احمد بن عبد العزیز آل مبارک کا تعارف کراتے ہوئے مولانا تقی الدین صاحب ندوی نے بتایا کہ موصوف ہندوستانی علماء کے ہمیشہ سے بیحد قدردان اور خصوصاً شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی تصنیفات کے بہت دلدادہ و عقیدت کیش ہیں، قاضی صاحب نے اپنی نسبتہً مختصر تقریر میں ندوۃ العلماء کے تعلیمی و اصلاحی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے اس مہرجان کے انعقاد اور کامیابی پر اس کو ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ اور اپنے اور اپنے ملک کی طرف سے کارکنان ندوۃ العلماء کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

ڈاکٹر عباس المہاجرانی نے اپنے مقالہ میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتحاد و اتفاق کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا تھا انھوں نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے اپنی اس رائے کو مدلل کرتے ہوئے کہا کہ اسلام گروہ بندی کا شدید مخالف ہے اس لیے اس وقت جب کہ باطل قوتیں اسلام کے قلعہ پر حملہ آور ہیں، تمام مسلمانوں کو اپنے جزوی اختلافات پس پشت ڈال کر ان کے مقابلہ کے لیے اپنی صفوں کو متحد کر لینا چاہیے۔

۲ر نومبر کو اس چار روزہ مہرجان تعلیمی کا پانچواں اجلاس حسب معمول نو بجے تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ گزشتہ دن کی طرح یہ اجلاس بھی تعلیمی مسائل پر سیمینار کے لیے

خاص تھا، جن مشاہیر واکابر اہل علم نے اس مذاکرہ میں حصہ لیا ان میں کچھ اہم نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر برہان دہلی۔ (۲) ڈاکٹر مشیر الحق ندوی ریڈر ادارہ دراسات مغربی ایشیا مسلم یونیورسٹی۔ (۳) ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ریڈر شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی۔ (۴) پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی پرنسپل جامعہ کالج جامعہ ملیہ دہلی۔ (۵) جناب محمد سمیع صدیقی۔ سابق پرنسپل ممتاز کالج لکھنؤ۔ (۶) جناب ریاض الدین پرنسپل مجیدیہ کالج الہ آباد۔ (۷) جناب اطہر حسین آئی۔ اے۔ ایس لکھنؤ۔

ڈاکٹر علی محمد خسرو نے کل صبح کے اجلاس میں دینی تعلیم کے ساتھ جدید تقاضوں کے مطابق صنعت وحرفت کی تعلیم شامل کرنے پر جو زور دیا تھا، اس کی گونج آج کے اجلاس میں بھی زور وشور سے سنائی دیتی رہی، اور مقررین ومقالہ نگاروں نے خسرو صاحب کے نقطۂ نظر کی موافقت ومخالفت میں اپنی آراء کا اظہار کیا۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی تعلیم کے اسلامی تصور پر طویل مقالہ لکھکر لائے تھے، مگر وقت کی تنگی کے باعث مقالہ کے بجائے ایک مختصر وجامع تقریر میں اپنے خیالات ظاہر کئے۔ موصوف نے اصلاح نصاب اور تعلیم وتہذیب کے میدان میں ندوۃ العلماء کے رول کو سراہتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ مرکزی دینی مدارس کا بنیادی مقصد مذہبی تعلیم دینا ہے۔ اس کے نصاب میں سوشل سائنس اور ٹیکنالوجی کو شامل کرنے سے یہ اصل مقصد فوت ہو جائے گا، ڈاکٹر مشیر الحق نے اپنے مقالہ میں دینی تعلیم کے متعلق بعض تجاویز پیش کیں جن میں سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ ہندوستان کے عام عربی مدارس کے لیے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جانا چاہئے، جو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرح تمام اہم فیصلے کرے اور انکو ملک کے تمام مدارس میں یکساں نافذ کرائے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا مقالہ بھی بہت فکر انگیز اور پرمغز تھا، انھوں نے پروفیسر خسرو کے

نقطۂ نظر کی مشروط حمایت کرتے ہوئے کہا کہ عربی مدارس کے نظام تعلیم کی تشکیل نو ضروری ہے اس کو چار مرحلوں میں تقسیم کر کے اس میں صنعت وحرفت کی تعلیم کو پہلے مرحلہ تک محدود رکھا جائے (اور میرا خیال ہے کہ خسرو صاحب کا مقصد بھی یہی ہوگا،) ثانوی مرحلے میں ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس سے تیار ہونے والے افراد فقہ کے معمولی مسائل کو حل کرنے اور عوام کو دینی مشورے دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، تیسرے مرحلے میں صرف منتخب باصلاحیت لوگوں ہی کو داخل کیا جائے جن کو دین کی وسیع وعمیق تر تعلیم دی جائے۔ موصوف نے سفارش کی کہ اس تعلیمی مرحلہ میں جدید علوم کا بھی اضافہ کیا جانا چاہئے تاکہ اس سے ایسے ماہر فن اساتذہ فارغ ہو کر نکلیں جو جدید تقاضوں سے باخبر ہوں، ڈاکٹر صدیقی نے اس مجوزہ نظام تعلیم کے آخری مرحلہ کو "تخصص" کا نام دیا، جس میں کسی ایک موضوع پر طلبہ خصوصی مہارت حاصل کریں[1]، موصوف نے اپنی اصلاحی تجاویز کا خاکہ بہت شرح وبسط کے ساتھ مدلل طور پر پیش کیا۔ جو بے حد پسند کیا گیا۔

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے "نظام تعلیم اور فکر اسلامی" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ جس میں تعلیم کے قدیم وجدید فلسفوں کا بہت تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا جناب محمد سمیع صدیقی نے اپنے انگریزی مقالہ "ندوۃ العلماء اور اس کا رول" میں ندوہ کے ان کارناموں نمایاں کا ذکر کیا جو اس نے پچاسی سال میں تعلیمی، سماجی اور فکری میدان میں انجام دیئے ہیں، پرنسپل ریاض الدین صاحب نے بھی ایک مقالہ پڑھا۔ اطہر حسین صاحب نے جو حکومت اترپردیش کے ایک اعلیٰ سرکاری افسر ہونے کے ساتھ علم وادب سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں اپنے انگریزی مقالہ میں دینی تعلیم کی اہمیت واضح کی۔ اور کہا کہ اس کے حصول سے خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت اور شعور پیدا ہوتا ہے۔

اسی دن سہ پہر کو اس مہرجان کے غیر ملکی مندوبین کے اعزاز میں لکھنؤ شہر کے مسلمانوں کی

---

[1] ندوۃ العلماء میں ادب فقہ اور حدیث میں تخصص کی تعلیم کا انتظام ہے۔

طرف سے اودھ کلارک ہوٹل میں ایک استقبالیہ پر تکلف عصرانہ دیا گیا جس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے شہریوں کی نمایندگی کرتے ہوئے معزز مہمانوں کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا، جس کا عربی ترجمہ مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے کیا مصری وزارت تعلیم اور امور شریعت کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبد المعید عبد الستار نے اس تاریخی شہر میں استقبالیہ دینے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سپاس نامے کے جواب میں کہا کہ آج پوری دنیا اضطراب و بے چینی کا شکار ہے۔ اسکی اہم وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے بلند مقام کو بھول کر اخلاقی انحطاط میں مبتلا ہو گیا ہے، اس نے مذہب کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا، اور موجودہ فلسفہ و نظام کی تقلید شروع کر دی ہے، شیخ موصوف نے کہا کہ خاص طور سے مسلمان اسلامی اصولوں پر صحیح معنوں میں عمل کر کے تسکین حاصل کر سکتے ہیں، اس جوابی تقریر کا اردو ترجمہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی نے کیا۔ اسی دن شب میں دینی تعلیمی بورڈ اور جمعیۃ علمائے ہند یو۔پی کی طرف سے بھی عرب مہمانوں کو استقبالیہ و عشائیہ دیا گیا،

آج کے اس اجلاس میں اسٹیج عرب نمائندوں سے تقریباً خالی رہا، کیونکہ گذشتہ دن مختلف امور پر غور کرنے اور قراردادیں مرتب کرنے کے لیے جو چار تحتی کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں ان کے جلسے علحدہ علحدہ ہوتے رہے اور شیخ الازہر اور دوسرے عرب مندوبین انھی میں شریک رہے۔

اس دن شام کے چھٹے اجلاس میں بھی مختلف عرب ممالک کے مندوبین نے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا جس میں ڈاکٹر عبد العزیز الفدار وائس چانسلر ریاض یونیورسٹی، شیخ یوسف حسین الحجی صدر اصلاح اجتماعی کویت اور شیخ ہاشم الرفاعی ممبر پارلیمنٹ اور سابق وزیر حکومت کویت خاص طور سے قابل ذکر ہیں، بیشتر مقررین نے ندوۃ العلماء کی خدمات کو سراہا اور اس مہرجان تعلیمی کے انعقاد اور اسکی غیر معمولی کامیابی پر خراج تحسین و تہنیت پیش کیا لیکن راقم سطور کے نزدیک اس وقت کے اجلاس کا حاصل مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی پر اثر اور ولولہ انگیز تقریر تھی، جس میں انھوں نے بعض

غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی تھی۔

موصوف محترم نے فرمایا کہ "اس جشن تعلیمی کا مقصد محض دعوت ہے، اور ہندوستان میں جو تعلیمی اصلاحی اور تجدیدی کوششیں ہوئی ہیں ان کی ایک تصویر ممالک اسلامیہ کے اہل علم و دانش کے سامنے رکھکر ان کے تجربات و خیالات سے فائدہ اٹھانا ہے اور بس، اس جشن کے انعقاد کے فیصلہ سے آج تک کبھی حاشا وکلا اس کے ذریعہ حصول زر کا خیال بھی حاشیۂ دماغ میں نہیں آیا، بعض عرب ممالک کے نمائندوں نے جن امدادی رقوم کا اعلان کیا ہے، وہ ہماری منشا کے خلاف ہے"۔ مولانا نے بڑے مؤثر جذباتی انداز میں مزید کہا کہ "یہ سونے کی چڑیاں تو اڑ جائیں گی، لیکن ہمارے مدارس ہندوستان ہی کے مسلمانوں کے تھوڑے تھوڑے عطیات سے چلتے رہیں گے، ہم ان دولت مند ممالک کے سامنے کاسہ گدائی لے کر نہیں جاتے اگر ایسا ہوتا تو آج میری دعوت پر ممالک اسلامیہ عربیہ کے اتنے جلیل المرتبت اشخاص یوں کھنچے چلے نہ آتے" ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا "ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، آپ جو چار آنے دیں گے وہی ہمارے لیے اصل نعمت ہیں، کیونکہ ہمارے یہ مہمان جو کچھ دیں گے وہ اللہ کی ان کو دی ہوئی بے شمار دولت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوگا، اور آپ کا عطیہ آپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے، یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہم پیسوں کی خاطر اصول کا سودا کبھی نہیں کر سکتے۔ اب ہماری قسمت اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہے، اس لیے ہم اس ملک کی فلاح و بہبود کی خاطر اس کو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں، اور اس مہرجان کا یہی اصل مقصد ہے" حضرت مولانا کی تقریر کے لفظ لفظ سے خلوص و صداقت کا جو چشمہ ابل رہا تھا اس سے حاضرین جلسہ بے حد متاثر ہوئے۔

اسی اجلاس میں خانقاہ مجددیہ سرہند کے سجادہ نشین مولانا زید ابو الحسن صاحب کا فاضلانہ

مقالہ بھی پڑھا گیا جس میں انھوں نے ہندوستان کی تاریخ کے اس عہد ظلمت اور نامساعد حالات کا تفصیلی جائزہ لیا اور شیخ احمد سرہندیؒ نے کفر و باطل کی بادِ صرصر میں جس طرح تجدید و اصلاح دین کی قندیلیں فروزاں کیں اس کی اہمیت واضح کی تھی۔

مہرجان تعلیمی کے آخری دن ۳ر نومبر کی صبح کو متحدہ عرب امارات کے چیف جسٹس ابوظبی کے شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک نے کتب خانہ ندوۃ العلماء کی مجوزہ نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس عمارت کی تکمیل پر پندرہ لاکھ روپیے کے مصارف کا تخمینہ لگایا جاتا ہے کتب خانہ ندوۃ العلماء کی موجودہ عمارت کی روز افزوں تنگی کے پیش نظر اس جدید تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب اتنی پر اثر تھی کہ علمی نمائش کی طرح اسکو بھی مہرجان کے اہم اور قابل ذکر پروگراموں میں شمار کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر سنگ بنیاد رکھنے کے بعد جب شیخ موصوف نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بچشم پرنم نہایت گلوگیر آواز میں دعا مانگنا شروع کی تو ساری فضا آمین آمین کی صداؤں سے گونج اٹھی، یہ منظر واقعہ یہ ہے کہ بے حد رقت انگیز تھا، ہزاروں کا مجمع پندرہ منٹ تک آنکھیں بند کیے بھرائی ہوئی آواز میں بارگاہ ایزدی میں اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے دعا گو رہا، راقم سطور اس وقت کی صحیح کیفیت قلبی کے اظہار اور مرقع کشی کے لیے ذخیرۂ الفاظ کو قاصر پاتا ہے،

اس کے بعد جلسہ گاہ میں اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی چونکہ کچھ غیر ملکی مندوبین کی آج ہی دوپہر میں واپسی طے تھی۔ اس لیے اس اجلاس کو ایک طرح سے اختتامی نشست کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی، اس میں سات عرب مہمانوں نے تقریریں کیں جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں

(۱) عراقی وفد کے سربراہ شیخ نورالدین الحلاحویش (سکریٹری جمعیۃ رابطۃ علماء عراق) (۲) ڈاکٹر عبدالعزیز عبید (پرنسپل اصول الدین کالج جامعہ ازہر مصر) (۳) شیخ عبداللہ الزاید

(پروفیسر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ) (۴) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (پروفیسر اسلامی شریعت امام محمد بن سعود یونیورسٹی) (۵) ڈاکٹر صالح مہدی السامرائی (پروفیسر جامعہ ریاض مقیم جاپان) (۶) شیخ احمد محمد اسماعیل بیلی (منصف عدالت شرعیہ ابوظبی)

تمام مقررین نے عمومی طور پر اس مہرجان تعلیمی کو سراہا کہ اس نے مختلف ملکوں کے اصحاب فکر کو باہم ملاقات اور تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کیا اور توقع ظاہر کی کہ اس عظیم اجتماع سے ایسے مفید نتائج برآمد ہوں گے جن سے اتحاد کا ماحول پیدا ہوگا، شیخ زاید نے کہا کہ اگر اس عظیم اجلاس سے باہمی اخوت و مودت، میل جول اور تعاون و تعاضد کا جذبہ پیدا ہوجائے تو بلاشبہ یہ اس کا ایک بڑا کارنامہ شمار ہوگا۔

اسی اجلاس میں ندوہ کی طرف سے ہر عرب مندوب کو دو البم اور دو بیگ پیش کیے گئے، ایک البم میں عمارات دہلی کی تصاویر اور دوسرے میں دارالعلوم ندوہ کے مختلف شعبوں اور عمارتوں کی تصاویر آویزاں تھیں۔

آخر میں اردن کے شیخ محمد ابراہیم شقرہ نے وہ چودہ قرار دادیں پیش کیں جن پر غور و فکر اور ترتیب کا کام چار تحتی کمیٹیاں گذشتہ روز سے کررہی تھیں۔ ان تجاویز میں سامراجی طاقتوں کے ثقافتی و فکری غلبہ سے آزادی، بیت المقدس مسجد اقصی اور فلسطینی باشندوں کی املاک پر قبضہ کرنے کی کوششوں کی مذمت، بعض ملکوں میں تحریف قرآن کی کوششوں پر اظہار ناپسندیدگی، مسئلۂ فلسطین اور اماکن مقدسہ کو اسلامی مسئلہ سمجھنے کی اپیل، اسرائیل کے قبضہ سے مقامات مقدسہ کو واپس لینے کے لیے جہاد کی اپیل، اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کرنے سے انکار پر حکومت ہند کا شکریہ، لبنان میں مسلمانوں پر ہونے والے خونی مظالم پر اظہار قلق اور اسلامی حکومتوں سے اس کا حل نکالنے کی اپیل، عربی زبان کے فروغ و ترقی، ندوہ کی دعوت

قبول کرکے اس جشن میں شرکت کرنے والی حکومتوں اور انجمنوں کے شکریہ کی تجویز، حکومت اترپردیش اور شہر لکھنؤ کے حکام و انتظامیہ کے تعاون و دلچسپی لینے پر شکریہ، عالم عرب کے تمام اسلامی مدارس اور یونیورسٹیوں سے اپنے نصاب تعلیم میں روح شریعت سے ہم آہنگ تبدیلی کرنے کی درخواست۔ اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز صحابۂ کرام پر بنائی گئی فلموں کی نمائش روکنے کا اسلامی حکومتوں سے مطالبہ، اور ندوۃ العلماء نیز مولانا ابوالحسن علی ندوی کے شکریہ کی تجویزیں شامل تھیں۔

آخر میں شیخ الازہر نے ان قراردادوں کی تائید میں ایک مختصر مگر جامع تقریر کی، جس میں انھوں نے جشن کی کامیابی کو سراہتے ہوئے کہا کہ ان تجاویز کی اہمیت مسلّم ہے، ہم بہت غور وفکر اور باہم مشورہ و تبادلۂ خیال کے بعد اچھے نتائج تک پہونچے ہیں، مولانا علی میاں مدظلہ نے اپنی اختتامی تقریر میں ایک مومن کامل اور سچے مومن کی طرح اس مہرجان تعلیمی کی کامیابی کو محض نصرت الٰہی کا کرشمہ قرار دیا، اور ان تمام معاونین کا شکریہ ادا کیا جن کی شب و روز کی جدوجہد اور محنت اس اجلاس کے سلسلہ میں شامل رہی مولانا مدظلہٗ کی دوسری تقریروں کی طرح یہ تقریر بھی بے حد روح پرور، خیال انگیز اور موثر تھی[1]۔ اس کے بعد شام کے معمر بزرگ شیخ حسن حبنکہ (صدر رابطہ عالم اسلام دمشق) کی جنھوں نے اپنی کبرسنی اور علالت کے باوجود مہرجان کو اپنی شرکت سے نوازا تھا، دعا پر یہ اجلاس اختتام کو پہونچا۔

اسی دن بعد نماز ظہر ندوۃ العلماء کے ابنائے قدیم کی تنظیم (اولڈ بوائز ایسوسی ایشن) کا احیاء عمل میں آیا، اس کا افتتاح کرتے ہوئے مولانا علی میاں مدظلہ نے ایک مختصر تقریر کی جس میں انھوں نے ابنائے قدیم کو جو اتنی بڑی تعداد میں شاید ہی کبھی یکجا ہوئے ہوں، تلقین کی کہ وہ جہاں بھی رہیں اپنے کردار وعمل سے مادر علمی کا نام روشن کریں اور علامہ شبلیؒ کی متانت تحریر و تقریر کا جو ورثہ ہم کو ملا ہے اسکو ہر لحظہ پیش نظر رکھیں۔

---

[1] یہ تقریر اس لائق تھی کہ اگر معارف کے محدود صفحات میں گنجائش ہوتی تو اسکو پورا نقل کیا جاتا۔

نظام العمل میں اسی دن شام کو ہونے والے مدارس دینیہ کے اہم مسائل و مشکلات پر تبادلۂ خیالات کیلئے ایک جلسہ مخصوص کیا گیا تھا، لیکن عراق سے تین ارکان پر مشتمل ایک اور وفد تاخیر سے اسی دن یہاں پہونچا تھا، ان کی تقریروں اور تاثرات میں اس اجلاس کا کافی وقت لگ گیا اس نشست کا مقصد یہ تھا کہ سیکولر ہندوستان میں مدارس دینیہ نے اسلامی شعائر و روایات کی جس طرح پوری پوری حفاظت کی بلکہ ان کو مزید پروان چڑھایا، اس کی تصویر بھی غیر ملکی معززمندوبین کے سامنے آجائے، بہرکیف وقت کی گنجائش کے مطابق جن اشخاص کو اپنے مقالے پیش کرنے یا تقریر کرنے کا موقع مل سکا ان میں اہم نام یہ ہیں:۔

(۱) شیخ ابراہیم منیر (عراق) (۲) ڈاکٹر محسن احمد بارون (جدہ) (۳) ڈاکٹر علی اشرف (صدر شعبہ انگریزی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ) (۴) مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی (مدیر البعث الاسلامی واستاذ دارالعلوم ندوہ) (۵) مولانا ظفیر الدین مفتاحی (دارالعلوم دیوبند) (۶) مولوی محمد اجمل ایوب اصلاحی ندوی۔

ان میں مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی کا مقالہ "ہندوستان میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" خصوصیت سے قابل ذکر ہے، موصوف نے اسلامیت و مغربیت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے پرمغز مقالہ میں بہت مدلل طور پر یہ دکھایا تھا کہ جب ہندوستان میں اسلامیت کا مغربیت سے ٹکراؤ ہوا تو اسکا موثر مقابلہ چار محاذوں سے کیا گیا، جہاد کی راہ سے جیسے سلطان ٹیپو وغیرہ کی کوششیں، مدارس اسلامیہ کے ذریعہ، تصنیف و تالیف کے ذریعہ اور سیاسی محاذ سے (مثلاً تحریک خلافت، کانگریس اور مسلم لیگ وغیرہ)۔

اصلاً عربی میں پڑھا گیا تھا لیکن بعد میں خود فاضل مقالہ نگار نے اردو میں بھی اسکا خلاصہ بیان کردیا تھا، مولوی اجمل ایوب اصلاحی نے بھی مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے تعارف میں ایک عربی مقالہ پڑھا چونکہ اس درسگاہ کا شجرۂ نسب بھی کسی منزل پر ندوۃ العلماء ہی سے ملتا ہے اسلئے اس موقع پر یہ مقالہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

آخر میں مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار کی دعا پر جن کی صدارت میں یہ جلسہ ہوا تھا، ہمارا یہ چار روزہ مہرجان تعلیمی، جو معنویت اور صوری محاسن کے دائمی چراغ روشن کرکے ختم ہوگیا، اسکا غیر معمولی نظم و ضبط، مختلف الخیال اور قدیم و جدید اہل علم و فکر کا اتصال اور ایمان و یقین سے پُر تقریروں کی روح پرور یاد ہمیشہ تابندہ رہیگی۔

مطبوعات جدیدہ

اردو مصدر نامہ - مرتبہ، جناب مولوی حفیظ الرحمن صاحب واصف تقطیع کلاں کاغذ کتابت و طباعت بہتر صفحات ۲۲۴ قیمت عہ۱۵ روپے - (۱) انجمن ترقی اردو بکڈپو - اردو بازار دہلی، سنٹرل بکڈپو - اردو بازار دہلی، (۳) کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار دہلی۔

مولوی حفیظ الرحمن صاحب واصف مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی مرحوم کے فرزند اور شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ ان کی نشو و نما دلی میں ہوئی ہے، اس لیے وہ اردو زبان کے نوک پلک سے اچھی طرح واقف ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے اردو زبان کے تقریباً تیرہ سو ۱۳۰۰ کثیر الاستعمال مصادر اور ان کے مشتقات و حاصل مصدر جمع کر کے ان کی مختصر تشریح و وضاحت کی ہے۔ تشریح و وضاحت میں اصلی و مجازی معانی اور استعمالات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے، اور سند میں اساتذہ خصوصاً داغ دہلوی کا کلام اور اردو کے محاورے اور کہاوتیں پیش کی گئی ہیں، شروع میں مصنف کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس میں اردو زبان اسکے رسم الخط اسکے الفاظ و اصطلاحات کے متعلق مفید باتیں تحریر کی گئی ہیں - اور اردو کی مقبولیت اور اسکے خالص ہندوستانی زبان ہونے کو واضح کیا گیا ہے، اس ضمن میں مغلیہ عہد کے اردو بازار اور اسکے قرب و جوار کے مقامات کا حال بھی تحریر کیا گیا ہے، فارسی کی طرح اردو کے مصادر پر ابھی تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی، یہ بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے اور اردو طلبہ اور اساتذہ کی قدر دانی کے لائق ہے۔

"ض"

جلد ۱۱۶ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء مطابق ماہ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۵ھ عدد ۶

مضامین